مزارِ اقبالؒ

(ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ)

مرتّبین :

غلام رسول عدیم

محمد رفیق خالد

3:1/2:572
۱۰۹۳۲

تصحیح نامہ

کتاب میں چند اغلاط کے لیے مولفین معذرت خواہ ہیں
ذیل کی سطور سے ان کی تصحیح کر لی جائے.

صفحہ	سطر	غلط	درست
۷	۱		عدیم اور
۲۱	۴	جرمنوں اور ترکوں کے خلاف	جرمنوں کے خلاف
۲۳	۱۱	متانت تھا	متانت نہ تھا
۲۷	۶	بردلی (باری) ریاست	بردلی ریاست
〃	۸	جھیل سا پتھر ریاست جودھلپور	جھیل سا پتھر ریاست جودھپور
〃	۱۳	جے پور	جودھپور
۳۹	۴	کے دروازے	کے دو دروازے
۴۰	۸	PEPCY	PERCY
۵۵	۱۵	ہیں مجھ	ہیں-(IV) مجھ
۵۷	۱۵	SARCOPHGUS	SARCOPHAGUS
۷۱	۸	ICLAMIC	ISLAMIC

مزارِ اقبالؒ

(ایک تاریخی و تحقیقی جائزہ)

● مرتبین ●

غلام رسول عدیم

اُستاد شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ

محمد رفیق خالد

اُستاد شعبۂ زبان و ادبیاتِ فارسی گورنمنٹ کالج باغبانپورہ لاہور

●

الآثار مطبوعات

$\frac{95}{1\text{-}اے}$ بادامی باغ، لاہور

سُول ایجنٹس

● علمی کتاب خانہ، کبیر سٹریٹ، اردو بازار لاہور

● یزدانی برادرز، چوک نیائیں، اردو بازار، گوجرانوالہ

جملہ حقوق بحق مرتبین محفوظ

کتاب ——— مزار اقبالؒ

مرتّبین ——— غلام رسول عدیم، محمد رفیق خالد.

ناشر ——— حاجی محمد عالم برائے الآثار مطبوعات

۹۵
۱- اے بادامی باغ، لاہور

طابع ——— محمد سعید

خطّاط ——— محمود الحسن

مطبع ——— استقلال پریس لاہور

قیمت
Rs 35.

اِنتساب

اُن اَشکبار آنکھوں کے نام

جن کے سامنے

مُفکّرِ پاکستان کو لَحد میں اُتارا گیا،

●

؎ گماں مدار کہ انجامِ سوختن خاک است
سرشتِ عشق ز آمیزشِ فنا پاک است*

(مرتّبین)

---

* یہ خیال نہ کر کہ جلنے کا انجام راکھ ہے۔ (کیونکہ) عشق کا خمیر فنا سے پاک ہوتا ہے۔

مشمولات

عنوانات	صفحہ نمبر
تقدیم	۶
سخنے چند	۸
حیات و آثار — ایک جھلک	۱۳
تدفین کہاں ہو؟	۱۷
جنازہ	۱۸
تعمیر مزار کا منصوبہ اور اس میں تاخیر	۲۰
مزار کا نقشہ	۲۳
تعمیر میں تاخیر	۲۶
محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں	۲۹
محکمہ اوقاف کی انتظامی نگرانی میں	۳۰
محکمہ آثارِ قدیمہ کی عارضی انتظامی نگرانی میں	۳۱
عمارتِ مزار	۳۶
طرزِ تعمیر	۳۷

عنوانات	صفحہ نمبر
بیرونِ دَر۔ (الف) مزار کمیٹی کا تعمیر شدہ	۳۸
(ب) محکمہ آثارِ قدیمہ کی تجدید و توسیع	۴۱
درونِ دَر	۴۴
(الف) خطاطی	〃
(ب) تعویذِ مزار	۴۹
(ج) لوحِ مزار	۵۰
آرزوئے ناتمام	۵۳
"ارمغانِ حجاز" گوشۂ گمنامی میں	۵۴
کچھ اختلافی آوازیں	۵۶
پیغامِ اقبالؒ	۶۰
کتابیات	۷۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

اقبالؒ نے اپنی وفات سے کئی سال پہلے "حضورِ رحمۃ للعالمین" صلی اللہ علیہ وسلم یوں التماس کی تھی۔

اے ظہور تو شباب زندگی — جلوہ ات تعبیرِ خوابِ زندگی
اے زمیں از بارگاہت ارجمند — آسماں از بوسۂ بامت بلند
کوکبم را دیدۂ بیدار بخش — مرقدے در سایۂ دیوار بخش
تا بیاساید دلِ بیتاب من — بستگی پیدا کند سیماب من
با فلک گویم کہ آرامم نگر — دیدۂ آغازم، انجامم نگر

اقبالؒ کی یہ آرزو قبول ہوئی اور انہیں قبر کے لیے جگہ بھی ملی تو کہاں، شاہی مسجد کے سایہ میں ——— اور آج یہ مزار ہمارے قومی آثار میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف شاہی مسجد ہے جو ہماری تاریخ میں "اذانِ سحر" کی گلفشانیوں کا ایک دل نشین اظہار ہے۔ دوسری طرف شاہی قلعہ ہے جو ہماری عظمت و سطوت کی بہار سامانیوں کا ایک دلآویز مرقع ہے۔ تیسری طرف رنجیت سنگھ کی سمادھ ہے جو تاریخ کی المناک کیفیتوں کی دلگداز روداد ہے۔ اور چوتھی طرف خود مزار اقبالؒ فکر و نظر کی فرحتوں کا ایک دلنواز نشان ہے ——— اور زندہ قومیں ایسے نقوش کو تحفظ دیا کرتی ہیں تاکہ آنے والے قافلے بھٹکنے نہ پائیں۔

مزار اقبالؒ کی اپنی ایک تاریخ، اپنی داستان اور اپنی روداد ہے۔ جگہ کے انتخاب سے لے کر تعمیر تک، کتنے ہی ذہنوں کا پیچ و تاب، نگاہوں کا اضطراب، دلوں کی تپش اور شبوں

کاگداز، عقیدت کے اس خاکے میں رنگ بھرتا ہے، جناب پروفیسر غلام رسول عدیم
جناب پروفیسر محمد رفیق خالد کی یہ حسین و جمیل کاوش، اسی پیچ و تاب، اِسی اضطراب، اسی
تپش اور اِسی گداز کا ایک مبسوط بیان ہے۔ یہ تاریخ بھی ہے اور تحقیق بھی، محبت بھی ہے اور
ارادت بھی وقت کا تقاضا بھی ہے اور قومی آثار کے تحفظ کی ضرورت بھی ان اوراق میں آنسوؤں
کے اس خراج کی شبنمیں جھلملاہٹ بھی ہے جو ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء رات پونے دس بجے، اُس
نابغۂ روزگار کے جسد خاکی کو پیش کیا گیا جس میں فلسفی کی عقل، شاعر کا وجدان اور مومن کا عشق،
منتہائے کمال کو پہنچ کر ہم آہنگ ہو گیا تھا۔ یہ تحریر اس حقیقت کا ثبوت بھی ہے کہ مستی کردار
ہو تو خاکستر پروانہ انوارِ سحر کی علامت بن جایا کرتی ہے اور موت سے انسان مرا نہیں
زندۂ جاوید ہو جایا کرتے ہیں۔ اور پھر اس عظیم وجود کو مٹی کیسے چھُو سکتی ہے جو بلالِ مشرق
بھی ہو اور کلیم ایشیا بھی۔ تخیل کا مجدّد بھی ہو اور تصوّر کا امام بھی۔ پاکستان کا مصوّر بھی ہو اور
اسلام کا نقیب بھی ـــــ قبر کی گہرائیاں، تاریکیاں اور تنہائیاں، علم و نظر کے نور اور جذبِ
جنوں کے سوز کو دھندلا نہیں سکتیں۔ کیونکہ لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند ہے جو پھلتی، پھولتی
اور پھیلتی ہے یہاں تک کہ گردنِ گردوں میں اپنی کمند ڈال دیتی ہے۔

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

یکم نومبر ۱۹۸۲ء

پروفیسر محمد اقبال جاوید
صدر شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، گوجرانوالہ

سُنئے چند

تاریخی آثار عام لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے چاروں طرف رہتے بستے ہیں۔ مگر بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو ان اینٹ پتھر کی عمارتوں کے پیچھے ماضی کی عظمت رفتہ کا سراغ لگاتے ہیں۔ لاہور ہی کی اہم تاریخی عمارات کو لے لیجئے شالامار باغ، شاہی قلعہ، شاہی مسجد، مقبرۂ جہانگیر جیسی عمارات جو صدیوں پہلے کی یادگاریں ہیں، انکے بارے میں عامۃ الناس کی معلومات کا کم ہونا تو فطری بات ہے مگر بعض ایسی یادگاریں بھی ہیں جو دیکھتی آنکھوں بنی ہیں پھر بھی نسلِ نو اُن کے بارے میں دھندلے تصورات ہی نہیں صریحاً غلط قصے کہانیاں گھڑ لیتی ہے۔ ایسی ہی یادگاروں میں ایک مزار علامہ اقبالؒ بھی ہے۔

کچھ روز پہلے علامہ اقبالؒ کے مزار پر حاضری کا موقع ملا تو ایک نوجوان نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ قبر کی پائنتی بیٹھے ہوئے ایک دوسرے ساتھی کو بتا رہا تھا کہ یہ مقبرہ انگریزوں نے بنوایا تھا۔ اس کا تعمیری مسالا بھی باہر سے آیا اور یہ سب انگریزی حکومت کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ اس قسم کی بے سر و پا باتیں سُن کر سخت دُکھ ہوا کہ تیس چالیس سال پہلے کی ایک عمارت کے بارے میں نوجوان نسل کی معلومات کا یہ عالم ہے تو کل کلاں جانے اس کے بارے میں کیا کیا افسانہ طرازیاں ہوں۔

اسی تکلیف دِہ احساس کے پیشِ نظر یہ عزم کیا گیا کہ مزارِ اقبالؒ کے بارے میں حقائق کو عوام کے سامنے لایا جائے چونکہ ملّتِ اسلامیہ کے اس بطلِ جلیل کے مزار پر ہر روز سینکڑوں زائرین حاضری دیتے ہیں۔ ان میں اہلِ علم بھی ہیں اور عامی بھی، اصحابِ دانش و بینش بھی ہیں اور اَن پڑھ عقیدت مند بھی، اربابِ اختیار بھی ہیں اور گدایانِ بے نوا بھی، غیر ملکی سائرین بھی ہیں اور اندرونِ ملک کے زائرین بھی، لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ مزارِ اقبالؒ پر اس انداز سے قلم اُٹھایا جائے کہ اہلِ علم اور واقفانِ حال کو تو صرف ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے کا موقع مل جائے اور عام عقیدت مندانِ اقبالؒ کے ذہنوں سے مزار کے بارے میں دھندلے اور غیر حقیقی تصوّرات دُور ہو جائیں اور نئی نسل حقائق سے صحیح طور پر باخبر ہو سکے۔

ہمیں اِس امر کا پُورا پُورا احساس ہے کہ اہلِ علم تشنگی محسوس کریں گے اور وہ تحقیقی بنیادوں پر تفصیلات کے متلاشی ہوں گے مگر زیرِ نظر مختصر کتابچے میں انہیں جزئی تفصیلات نہیں مل سکیں گی۔ اس کے لئے مرتبین عنقریب تفصیلی جائزہ پیش کریں گے۔ انشاءاللہ۔

سرِ دست یہ خیال تڑپا رہا تھا کہ زائرِ عقیدتوں کے پھول لے کر مزارِ اقبالؒ پر حاضر ہوں اور کسی قسم کی رہنمائی کے فقدان کی وجہ سے وہ سُنی سنائی باتوں کو پلّے باندھ لیں پھر ان غلط سلط بیانات کو مبالغہ آمیزیوں کے ساتھ جگہ جگہ پھیلاتے پھریں تو یہ ایک بہت بڑا المیہ ہوگا۔ یہی خیال اس کتابچے کی ترتیب و تدوین کا اصلی جذبہ محرکہ ہے۔

دوسرے یہ بھی محسوس کیا گیا ہے کہ پَون صدی پہلے جب سے علامہ اقبالؒ نے لکھنا شروع کیا۔ اُن کی وفات تک اُن کی شخصیت اور فکر و فن پر اقبالی ادب جمع ہوتا رہا۔ وفات کے بعد تو موضوعات میں اس قدر تنوّع آگیا کہ آج اُردو اور فارسی ادب میں اقبالیات کا حصّہ قابلِ لحاظ حد تک نمایاں ہے اقبالؒ کی شخصیت، ماضی و حال کی عظیم شخصیتوں کے ساتھ ان کے ذہنی رابطے یا فاصلے، ان کے فکر و فن کے ارتقاء کے بیسیوں پہلو ایسے ہیں

جن پر اُن کی وفات سے لے کر آج تک لکھا جاتا رہا ہے مگر جہاں تک اُن کے مزار کا تعلق ہے اس پر ارادتوں کے گلدستے اور محبتوں کے گلہائے رنگارنگ نچھاور کرنے کے باوجود اس کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ لے دے کے پورے اقبالی ادب میں حلقہ اقبال کے ایک قریبی عقیدت مند خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لاء کی ایک تحریر ہے جسے اخبارات و رسائل نے موقع بموقع شائع کیا کئی کتابوں میں ہر پھر کے وہی ایک تحریر ہے جو مزار اقبال پر روشنی ڈالتی ہے یا پھر چند بکھری ہوئی چیزیں ہیں جو اقبالی ادب کے عظیم سرمائے میں ضمناً و اشارتاً آ گئی ہیں۔

اب جو شخص بھی مزار اقبالؒ پر قلم اٹھائے گا اس کے لئے خواجہ عبدالرحیم کے رشحات قلم سے استفادہ تو ایک ناگزیر ضرورت ہوگا۔ تاہم دوسرے ذرائع تک رسائی سے بھی اس ضمن میں خاصی مفید معلومات مل سکتی ہیں۔

اس غرض کے لئے مرتبین نے ہر اُس گوشے میں جھانکا جہاں سے موضوع کے لئے ٹھوس اور مستند معلومات مل سکتی تھیں۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ روزنامہ نوائے وقت امروز، پاکستان ٹائمز اور سول اینڈ ملٹری گزٹ کے پرانے فائل اس سلسلے میں خاصے مفید ثابت ہوئے۔ نیز بعض وہ شخصیات جن کی آنکھوں کے سامنے یہ عمارت بنی یا جو براہِ راست اس کی تعمیر سے منسلک تھیں ان کی گرانقدر توجہات نے اس موضوع کو نسبتاً آسان بنا دیا۔ ان بزرگوں میں میاں امیرالدین، ڈاکٹر سید عبداللہ، میاں محمد شفیع (م ش) پروفیسر مرزا محمد منور، ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، محمد ولی اللہ خاں (ڈائریکٹر محکمہ اوقاف) خواجہ طارق رحیم (خواجہ عبدالرحیم کے صاحبزادے) چودھری افتخار علی (چودھری فتح محمد ٹھیکیدار مزار اقبالؒ کے فرزند) مشہور خطاط سید انور حسین نفیس رقم، علی محمد لونڈ خور (سپرنٹنڈنٹ آرکیالوجی شمالی سرکل) قابلِ ذکر ہیں۔ مزید برآں محکمہ اوقاف اور محکمہ آثارِ قدیمہ کے ریکارڈ کا بھی بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا گیا۔

کوشش یہ کی گئی ہے کہ بلا کم و کاست حقائق سامنے آجائیں اور یہ تحریر مزار کے پچھلے تیس پینتیس سال کی تاریخ اس طرح پیش کرے گویا مزار قاری کی آنکھوں کے سامنے تعمیر ہوا ہے۔ نیز یہ احساس بھی مرتبین کے دل میں بار بار کروٹ لیتا رہا ہے کہ اقبالیات جیسے ناپیدا کنار موضوع پر عام لکھنے والوں سے لے کر ڈاکٹر سیّد عبداللہ، ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر مرزا منوّر جیسے اساطین ادب اور غیر ملکیوں میں ڈاکٹر عبدالوہاب عزّام اور ڈاکٹر اینی میری شمل جیسی بلند و بالا ادبی شخصیتوں تک نے اقبالؒ پر لکھا ہے۔ مگر ان لوگوں کی اکثریت نے یا تو ملک کے زیادہ پڑھے لکھے طبقے کو مخاطب بنایا ہے یا بلند سطح کے علمائے ادب کو۔

چنانچہ اس کتابچے میں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ عام زائرین مزار کو ایک طرف علامہ کے مزار کے بارے میں معلومات فراہم کی جائیں تو دوسری طرف عام فہم نقطوں میں علامہ کی زندگی کے اہم واقعات اور پیغام سے روشناس کرایا جائے۔ فکرِ اقبالؒ میں ایسی بنیادی باتوں کو درخورِ اعتنا سمجھا جائے جن سے معمولی پڑھا لکھا قاری بھی فائدہ اٹھا سکے نہ اقبال کی آڑ میں اپنی قامت کو بالا کرنے کی کوشش ہو اور نہ ہی فلسفیانہ موشگافیوں کے چکر میں ایسے مباحث زیرِ بحث آئیں جو محض کتابوں کی زینت ہوا کرتے ہیں وہ نہ تو دل و دماغ میں اُترتے ہیں اور نہ ہی اُن سے جدّتِ کردار کا سامان پیدا ہوتا ہے۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ مزار کے اندر اور باہر کی جتنی عبارتیں یا اشعار ہیں وہ یا تو عربی زبان میں ہیں یا فارسی میں عام زائرین کو محض زیارت کا فائدہ تو پہنچاتی ہیں، مگر اُن کے لئے اُن کا پڑھنا دشوار ہے اور سمجھنا دشوار تر۔ ان عبارات کی تفہیم اور دیگر فارسی و عربی متون کو بخوبی سمجھانے کے لیے ان کا ترجمہ اُردو زبان میں کر دیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہوئے رُوح معنی بھی کسی حد تک مجروح ہوتی ہے اور حُسنِ عبارت بھی غارت ہوتا ہے تاہم ایک ناگزیر ضرورت

کے طور پر عام قارئین وزائرین کے لیے اُردو ترجمہ بھی درج کر دیا گیا ہے۔

اس سمت میں یہ ابتدائی کوشش ٹھہرے پانی میں پہلا پتھر ہے اُمید ہے واقفانِ حال اور اہلِ علم حضرات نقشِ ثانی کے لیے بھرپور علمی و اخلاقی اعانت فرمائیں گے۔ ہمیں ان کے قیمتی مشوروں اور صائب آراء کا سپاس شناسی کے جذبے کے تحت انتظار رہے گا۔

ہم ان تمام اہلِ علم و دانش کے ممنونِ احسان ہیں جن سے ہم نے استفادہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کا تعاون اور حوصلہ افزائی شریکِ حال نہ ہوتی تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکتے۔ ہم نے اس سلسلے میں بہت سی کتابوں، رسائل اخبارات اور آثارِ قدیمہ کی فائلوں اور اوقاف کے ریکارڈ کو بھی دیکھا، جانچا اور پرکھا اگر علم و نظر کی یہ شمعیں نہ ہوتیں تو ہم یقیناً اپنا دیا روشن نہ کر سکتے۔

مرتّبین

۵ر نومبر ۱۹۸۲ء

اِک وُلولۂ تازہ دیا مَیں نے دِلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بُخارا و سمرقند

(اقبالؒ)

حیات و آثار ـــــ ایک جھلک

جدید تحقیق کی رُو سے علامہ اقبالؒ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی میر حسن کے مدرسے سے حاصل کی بعد ازاں سکاچ مشن اسکول میں داخلہ لے لیا وہیں سے ایف اے تک تعلیم پائی اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم اے کے امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کئے کچھ دیر گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے۔

۱۹۰۵ء میں یورپ گئے۔ تین سال تک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۰۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) سے بار ایٹ لاء اور میونخ یونیورسٹی (جرمنی) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر لوٹے۔ واپسی پر کچھ دیر کے لئے بیک وقت ملازمت اور پریکٹس کرتے رہے اسی دوران میں ان کی شاعرانہ شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ علّامہ نے انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں دلکش قومی نظمیں پڑھیں تو پورے ہندوستان میں بحیثیت شاعر و مصلح قوم متعارف ہو گئے۔ انگلستان سے واپسی پر ان کے دل و دماغ میں زبردست تبدیلی آچکی تھی ایک تو وطنیت کے خلاف ردِ عمل کا کھل کر اظہار کیا دوسرے اتحاد بین المسلمین کے نظریے کو شدّومد سے پیش کیا ۱۹۱۵ء میں جب ان کا پہلا شعری مجموعہ "اسرار خودی" (فارسی) چھپا تو عوام الناس

تو کما حقہٗ سمجھ نہ سکے، البتہ اہلِ نظر کو اُن کی فکری بلندی اور ایک خاص زاویۂ نگاہ یعنی فلسفۂ خودی سے واقفیت ہوئی۔ دو ہی تین سال بعد انہوں نے "رموزِ بے خودی" لکھ کر ثابت کیا کہ خودی کا مطلب فرد کی انفرادی قوتوں کا بے جا استعمال نہیں بلکہ انہیں صحیح طریقے سے جماعت کے لئے استعمال کرنا مطلوب ہے۔

ان کی دوسری اہم کتاب "پیامِ مشرق" (فارسی) ۱۹۲۳ء میں منظرِ عام پر آئی۔ اگلے سال ان کا پچھلے کئی سالوں کے اُردو اشعار کا مجموعہ "بانگِ درا" کے نام سے شائع ہوا۔ پنجاب اور اس کے نواح میں تو وہ معروف تھے ہی اب پورے ہندوستان میں ان کی نظمیں بچّے بچّے کی زبان پر آگئیں۔

جنگ عظیم اوّل، تحریکِ خلافت اور عالمِ اسلام کی دوسری تحریکیں جن کے ذریعے مسلمان اپنے ملک میں آزادی کی جدّوجہد کر رہے تھے علّامہ اُن سے محض باخبر ہی نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کے بیدار کرنے میں بھرپور حصّہ لے رہے تھے اس زمانے میں اُنہوں نے اپنے پرکشش کلام کے ذریعے بعض پیشگوئیاں بھی کیں جو بعد کو پوری ہوئیں۔

اب علّامہ محض فکری طور پر ہی کام نہیں کر رہے تھے بلکہ عملی طور پر بھی میدان سیاست میں آچکے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پنجاب کی مجلس قانون ساز کے امیدوار کی حیثیت سے انتخاب میں حصّہ لیا اور بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ پنجاب کونسل میں ان کی تقریریں ان کی مُصلحانہ کوششوں، سیاسی بصیرت اور عوام سے ہمدردی کی آئینہ دار ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں ایک اور فارسی مجموعہ "زبورِ عجم" اشاعت پذیر ہوا۔ علّامہؒ نے اپنے شب و روز اصلاح قوم کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ ایک طرف عوامی سطح پر اصلاح و فلاح کی کوششیں جاری تھیں تو دوسری طرف علمی و فکری سطح پر بھرپور خدمات انجام دے رہے تھے۔ مدراس میں دیئے گئے لیکچر اس بات کے گواہ ہیں۔

علامہؒ نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کی صدارت کی اس میں واشگاف اور کھلے لفظوں میں پاکستان کا تصوّر پیش کیا۔ اس وقت انگریز اور ہندو نے اسے شاعر کا خواب اور مجذوب کی بڑ خیال کیا مگر بعد میں قائدِ اعظمؒ کی عملی کوششوں سے یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر رہا۔

دسمبر ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس کے سلسلے میں لندن گئے۔ واپسی پر اٹلی میں قیام کیا اٹلی کے آمر مطلق مسولینی سے ملاقات کی۔ غازی امان اللہ خاں والیٔ کابل بھی ان دنوں روم میں موجود تھے ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اٹلی سے مصر آئے وہاں کی اہم شخصیتوں سے ملاقاتیں رہیں اور عالمِ اسلام کے مستقبل کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوا۔ مصر سے بیت المقدس کا رُخ کیا۔ مفتیٔ اعظم فلسطین سیّد امین الحسینی کے زیرِ اہتمام مؤتمرِ عالمِ اسلامی میں شرکت کی۔ اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> "میری رائے میں اسلام کو اس وقت دو طرف سے سخت خطرہ ہے ایک الحاد اور مادیّت کی طرف سے دوسرے وطنی قومیّت کے پرچار کی جانب سے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم ان دونوں خطرات کا مستعدی سے مقابلہ کریں۔"

۱۹۳۲ء میں غازی رؤف بے جامعہ ملیہ میں آئے ان کے لیکچروں میں سے ایک کی صدارت علامہ نے فرمائی۔ اپنے صدارتی خطبے میں اتحادِ اسلامی کی اہمیت پر تقریر کی اور وطنیت کی خرابیوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اسی سال اُن کی کتاب "جاوید نامہ" (فارسی) چھپی۔ اسی سال تیسری گول میز کانفرنس کے لئے پھر لندن گئے۔ واپسی پر فرانس اور سپین کی راہ سے آئے۔ پیرس میں مشہور فرانسیسی مفکر برگسان سے ملاقات ہوئی سپین میں اسلامی یادگاروں کو دیکھا۔ قصر الزہرا، قصر الحمراء وغیرہ مقامات دیکھے

مسجد قرطبہ میں مسلمانوں کے زوال کے سات سو سال بعد حکومت سپین کی خصوصی منظوری لے کر اذان دی اور نماز پڑھی - اگلے سال فرمانروائے افغانستان نادر شاہ نے ہندوستان کے تین چوٹی کے ماہرین تعلیم کو اپنے ملک میں تعلیمی اصلاحات کے لئے دعوت دی۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی اور سر رأس مسعود کے ساتھ تیسری اہم شخصیت علّامہ ہی کی تھی۔ حکومت افغانستان نے ان حضرات کی علمی بصیرت اور فکری صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ واپسی پر سیّد سلیمان ندوی نے نثر میں "سیرِ افغانستان" اور علّامہ نے "مثنوی مسافر" (فارسی) لکھی۔

۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۸ء تک کا زمانہ ان کے فکری عروج کا زمانہ تھا "بال جبریل" (اُردو) (۱۹۳۵ء) "ضربِ کلیم" (اُردو) (۱۹۳۶ء) جیسی بلند پایہ کتابیں شائع ہوئیں عالم اسلام کے مسائل پر گہرا غور و خوض کیا مگر یہی وہ زمانہ تھا جس میں جسمانی انحطاط بڑھ رہا تھا اور کئی عوارض جان کا روگ بنے ہوئے تھے۔ علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا۔ دہلی اور بھوپال کے سفر بھی کئے مگر

ع مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

آخر یہ مردِ خود آگاہ ملّت خوابیدہ کو بلالی آہنگ سے خواب غفلت سے جگاتا ہوا ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو سوا پانچ بجے راہی ملک عدم ہو گیا۔

رہے نام اللہ کا۔

تدفین کہاں ہو؟

ع زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ایک طرف شیدایانِ اقبالؒ پر قیامت بیت گئی۔ دوسری طرف سوال پیدا ہوا کہ علاّمہ کو دفن کہاں کیا جائے۔ اس ضمن میں علاّمہ کے قریبی عقیدت مندوں میں سے اُن کے پچھلے تیس سال کے با اعتماد ساتھی چودھری محمد حسین اور مشہور معالج ڈاکٹر مظفرالدین قریشی کا خیال تھا کہ انہیں شاہی مسجد کے کسی حجرے میں دفن کیا جائے۔

شدّتِ غم کے باوجود دلدادگانِ اقبالؒ نے اس مسئلے کا جلد ہی حل نکال لیا۔ چودھری محمد حسین، سیّد محسن شاہ، خلیفہ شجاع الدّین، نواب سعادت علی خاں، میاں نظام الدّین، میاں امیر الدین، مولانا غلام مرشد، مولانا عبدالمجید سالکؔ اور مولانا غلام رسول مہرؔ شاہی مسجد گئے۔ مسجد کے حجروں کا چاروں طرف سے بغور جائزہ لیا۔ آخر طے یہ پایا کہ مدفن کے لئے حضوری باغ کا وہ حصّہ استعمال کیا جائے جو شاہی مسجد کی سیڑھیوں کے جنوب میں جنوب مشرقی مینار کے زیرِ سایہ ہے۔ اس قطعۂ باغ پر اتفاقِ رائے تو ہو گیا مگر مسئلہ یہ تھا کہ یہ جگہ محکمہ آثارِ قدیمہ کی ملکیت میں تھی۔ اور محکمہ آثارِ قدیمہ کا صدر دفتر مرکزی محکمہ ہونے کی وجہ سے برطانوی ہند کے پایۂ تخت دہلی میں تھا۔ چنانچہ مزید وقت ضائع کئے بغیر ایک پانچ رُکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں سیّد محسن شاہ نے بحیثیت سیکرٹری انجمن اسلامیہ پنجاب حکومت پنجاب سے رابطہ قائم کیا اس کمیٹی کے چیئرمین علاّمہ کے

رفیقِ مُعتمد اور دیرینہ عقیدت مند چودھری محمد حسین تھے۔ اُس وقت کے وزیرِ اعلیٰ پنجاب سر سکندر حیات خاں سے رابطہ قائم کیا گیا وہ اُن دنوں کلکتہ گئے ہوئے تھے واپسی پر انہیں تار ملا، مگر اُنہوں نے اس مجوزہ مقامِ تدفین سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کی گراونڈ کی تجویز دی۔ تاہم کمیٹی اپنے فیصلے پر جمی رہی اور اس تجویز کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا۔ ساتھ ہی اس وقت کے انگریز گورنر پنجاب ہنری ڈی کریک (HENRY D.CRAIK) (مدّتِ حکومت ۱۹۳۸ء-۱۹۴۱ء) سے اجازت دلوانے کی کوشش کی گئی۔ اس پانچ رکنی وفد کی مساعی سے گورنر پنجاب نے جگہ کی منظوری دلوانے کی بھرپور کوشش کی اگرچہ مسٹر کریک نہ تو علاّمہ کے فکری کارناموں سے کما حقہٗ آگاہ تھے اور نہ ہی اُن کے فنی محاسن پر گہری نگاہ رکھتے تھے، تاہم چودھری محمد حسین اور اُن کے ساتھیوں کی کوششوں اور عوامی جذبات کے احترام کے پیشِ نظر اُنہوں نے نہایت ہمدردانہ رویہ اختیار کیا اور دوپہر ۱۲ بجے سے پہلے پہلے حضوری باغ کے مجوزہ قطعۂ ارض کے لئے اجازت دلوادی شام ۴ بجے تک تمام کاغذات مکمل ہو چکے تھے۔

جنازہ اس اثناء میں یہ خبرِ وحشت اثر لاہور سے باہر پھیل چکی تھی۔ عالمِ اسلام کے اس عظیم فرزند کے آخری دیدار کے لئے لوگوں نے جوق در جوق لاہور کا رُخ کیا۔ لاہور کے تعلیمی ادارے، عدالتیں، کاروباری ادارے آج صبح ہی سے بند تھے۔ شام تک جاوید منزل میں سوگواروں کا ہجوم برابر بڑھتا چلا گیا۔

شام ۵ بجے جنازہ اُٹھا، چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جنازے کو کندھا دے سکیں۔ جنازے کے ساتھ ساتھ ہر شعبۂ زندگی کے لوگ تھے۔ وکیل، جج، کالجوں کے پروفیسر، طلبہ، حکومتی اہلکار، حُکّام، وزراء سب کے سب

پیکر یاس بنے کلمۂ شہادت کا وِرد کرتے چلے جارہے تھے۔

گورنر پنجاب کی طرف سے اُن کے چیف سیکرٹری اور نواب صاحب بہاولپور کی طرف سے اُن کے سیکرٹری نے جنازے پر پھول نچھاور کئے۔ آگے آگے پولیس اور کئی ایک جماعتوں کے باوردی رضاکاروں کی کثیر تعداد تھی۔

جلوس اسلامیہ کالج پہنچا تو وہاں انتظار کرنے والے ہزاروں سوگوار شامل جلوس ہو گئے۔ جنازہ برانڈرتھ روڈ اور دہلی دروازے کی راہ ۷ بجے شام شاہی مسجد پہنچا۔ ۸ بجے شب شاہی مسجد کے صحن میں مولانا غلام مُرشد نے نماز جنازہ پڑھائی اور کوئی پونے دس بجے عالمِ اسلام کا یہ عظیم مُفکّر آغوشِ لحد میں جاسویا۔

تعمیرِ مزار کا منصُوبہ اور اس میں تاخیر

علّامہ کی وفات کے جلد ہی بعد ۱۹۳۸ء ہی میں ایک مزار کمیٹی تشکیل دے دی گئی، اور یہ طے پایا کہ یہ کمیٹی علّامہ اقبالؒ کے شایانِ شان مقبرہ تعمیر کرے گی۔ اس کمیٹی کے ارکان یہ حضرات تھے۔ چودھری محمد حسین، میاں امیر الدّین، خواجہ عبدالرحیم، راجہ حسن اختر آغا شورش کاشمیری اور حمید نظامی۔

تاہم علّامہ کا مدفن ایک عرصے تک ایک مٹّی کے چبوترے کی شکل میں حضُوری باغ کے اسی قطعۂ زمین میں زیارت گاہ خاص و عام رہا۔ قبر کچّی تھی اور اُوپر ایک پُختہ تعویذ بنا دیا گیا تھا اور بس۔

مزار کمیٹی اپنی پوری کوشش کے باوجود کوئی آٹھ سال تک تعمیرِ مزار کا کام شروع نہ کر سکی۔ تاخیر والتوا کے چند اہم اسباب یہ تھے۔

i۔ یہ جگہ محکمہ آثارِ قدیمہ کے قبضے میں تھی یہاں محض مدفن بنانا بھی کم دُشوار نہ تھا چہ جائیکہ ایک شاندار مزار تعمیر کیا جاتا۔

ii۔ محکمہ آثارِ قدیمہ اور لوکل سیلف گورنمنٹ میں دوسرے کئی محکموں کی طرح زیادہ تر اہلکار اور افسر ہندو اور سکھ تھے یا پھر اقتدار کی اعلیٰ کرسیوں پر انگریز حاکم براجمان تھے۔ جنہیں مزارِ اقبالؒ کی تعمیر سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

iii۔ مزار کمیٹی جب بھی اِس ضمن میں سلسلہ جنبانی کرتی حکومتی اداروں کے غیر مسلم حکام اس

کی سخت مخالفت کرتے نتیجتہً تعمیر کا کام سالوں تک معرضِ التوا میں پڑا رہا۔

۱۷ا - اسی دوران میں جنگِ عظیم دوم (۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء) چھڑ گئی۔ پورا نظامِ عالم درہم برہم ہو گیا۔ حکومت اور عوام کی توجہ جنگ کی تباہ کاریوں کی طرف مبذول ہو کر رہ گئی۔ جرمنوں اور ترکوں کے خلاف حکومت ہند کی تائیدی سرگرمیاں پورے زوروں پر تھیں برطانیہ شکست پر شکست کھا رہا تھا۔ اس صورتِ حال میں غلام ہند کے داخلی معاملات میں تعطّل آ گیا خصوصاً تعمیرِ مزار کا کام جو پُرامن ماحول میں بہتر طور پر انجام پا سکتا تھا تاخیر کی نذر ہوتا گیا۔

۷ - مزار کمیٹی کے پیشِ نظر منصوبہ تھا کہ معمولی اینٹ روڑے کی عمارت نہ بنائی جائے بلکہ مزار علاّمہ کے شایانِ شان ہو جسے دیکھ کر زائر کے دِل پر اقبال ؒ کی عظمت و رِفعت کا نقش گہرا ہو۔ اس مقصد کے حصُول کے لئے تعمیراتی مواد کی فراہمی ایک اہم مسئلہ تھا۔ کیونکہ مطلوبہ سنگ سُرخ جو مسجد کے سنگ سُرخ کے ساتھ مطابقت کر سکے، قرب و جوار میں نایاب تھا۔

۷ا - جب مزار کمیٹی کی اَن تھک کوششوں سے مزار کی تعمیر کا اجازت نامہ ملا تو اُس کے ساتھ کئی ایک شرائط عائد کر دی گئیں۔ مثلاً

ا - مسجد کی سیڑھیوں سے مناسب فاصلہ ہونا چاہیے بالکل ان کے قریب تعمیر نہ کی جائے۔

ب - مزار کی چھت شاہی مسجد کے حجرُے کے اوپر کی پہلی کارنس سے اونچی نہ ہو۔

ج - مزار کا نقشہ ایسا ہو جو شاہی مسجد اور شاہی قلعے کے ساتھ مکمل مناسبت رکھتا ہوا مُمل اور بے جوڑ نہ ہو۔

د - سِکھ حکام کے ذہنوں میں یہ خلش زہر گھول رہی تھی کہ پہلے ہی ایک طرف مسلمانوں

کی دینی صولت کا نشان شاہی مسجد کی صورت میں موجود ہے اُس کے بالمقابل شاہی قلعہ مسلمانوں کی دُنیوی سطوت کا آئینہ دار ہے اگر ادھر راجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ کے مقابل میں ان کے فکری شکوہ کے اظہار کے طور پر علامہ اقبالؒ کا مزار بھی تعمیر ہو گیا تو سمادھ بے اہمیت ہو جائے گی۔

اجازت مِل چکنے کے بعد مزار کمیٹی نے اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ تعمیر مزار کا آغاز ۱۹۴۶ء کے اواخر میں ہوا۔

مزار کا نقشہ

مزار کمیٹی ایسے حضرات پر مشتمل تھی جنہیں علامہ کے فکر و نظر سے گہری واقفیت تھی اور یہ حضرات علاّمہ کی صحبتوں سے براہِ راست فیضیاب ہو چکے تھے۔ اِن کی انتہائی خواہش تھی کہ :

ا۔ علاّمہ کو شاہی مسجد کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ تاکہ اُن کی ع

مرقدے در سایۂ دیوار بخش

کی التجا پوری ہو سکے۔

ب۔ یہاں ایک نہایت شاندار مقبرہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا جائے۔

ج۔ مقبرے کا طرزِ تعمیر ایسا ہو جس سے فکرِ اقبالؒ اور سیرتِ اقبال کی عکاسی ہو۔ پہلی دو باتیں تو بعد از کوشش بسیار پوری ہو چکیں اب تیسری خواہش باقی تھی۔ اس غرض کے لئے اس وقت کے ماہرینِ فنِ تعمیر سے رابطہ قائم کیا گیا۔ مگر بات نہ بن سکی۔ کئی نقشے سامنے آئے مگر ان میں علاّمہ کے شایانِ شان اظہارِ عظمت و متانت نہ تھا۔

آخر ریاست حیدر آباد دکن کے فرمانروا نواب میر عثمان علیخاں کے مقرب خاص نواب زین یار جنگ بہادر چیف آرکیٹیکٹ ریاست حیدر آباد کی خدمات حاصل کی گئیں۔ کمیٹی نے انہیں پوری صورت حال سے باخبر کر کے نقشہ منگوایا۔ مگر یہ نقشہ بھی مزار کمیٹی کے نقطۂ نظر سے معیار سے فروتر نکلا۔ چودھری محمد حسین نے

اس نقشے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "یہ تو کسی بلبل کا پنجرا لگتا ہے۔"

آخر نواب زین یار جنگ کو حیدر آباد دکن سے لاہور آنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے بچشم خود موقع کا جائزہ لیا۔ ساری صورت حال کو سمجھ کر مسجد کی جنوبی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے اور پنسل سے ایک سادہ سا سکیچ بنایا، جسے اپنے ہمراہ لے گئے۔

اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ علامہ کے رفیقِ معتمد چودھری محمد حسین نے نواب زین یار جنگ کو نہ صرف حیدر آباد سے بلا کر مقامِ مزار کا مشاہدہ کرایا، بلکہ اِس سمت میں خود بھی وضاحت کے ساتھ ان کی رہنمائی کی جس سے وہ مزار کمیٹی کا مدعا سمجھ گئے۔

خواجہ عبدالرحیم کا کہنا ہے:

"مجھے خوب یاد ہے نواب زین یار جنگ بہادر شاہی مسجد میں تھے اور چودھری محمد حسین مرحوم اُنہیں یہ سمجھا رہے تھے کہ گرد و پیش کی عمارت میں مزار کی کیا حیثیت اور کیا اہمیت ہے اس وقت ان کے ہمراہ راجہ حسن اختر، میاں امین الدین مرحوم سَر سکندر حیات خاں اور راقم الحروف بھی تھے۔ چودھری صاحب مرحوم کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی اور ان کی زبان پر یہ فقرے تھے کہ مزار کے مغرب میں شاہی مسجد ہے جس سے اسلام کی روحانی طاقت کی آئینہ داری ہوتی ہے اس کے بالمقابل مشرق میں شاہی قلعہ ہے جو اسلام کی دُنیاوی عظمت کا مظہر ہے تیسری سمت رنجیت سنگھ کی مڑھی ہے جو اسلام سے بغاوت کی یادگار ہے چوتھی جانب حکیم الاُمّت کا مزار ہے جنہیں مجدّدِ ملّت کہا جا سکتا ہے مزارِ اقبالؒ کا نقشہ کچھ ایسا ہونا چاہیے کہ سنگ و خشت کی خاموش زبانیں حقیقت کی ترجمانی کریں

اور اُن کی ترتیب و تعمیر سے حقیقت کا انکشاف ہو کہ اقبال کا کلام اور اس
کا پیام فقر و سلطنت اور درویشی و شاہی کا ایک حسین امتزاج تھا۔"

جب کمیٹی کو حسب منشا تعمیر کا خاکہ موصول ہو گیا تو اس پر کام شروع کر دیا گیا کام کی نوعیت یہ تھی کہ لاہور کی ایک مشہور تعمیر کار فرم "میسرز چودھری محمد بخش، فتح محمد، لاہور" کو ایک لاکھ روپے میں ٹھیکہ دیا گیا۔ یہ فرم برّ صغیر کی اے کلاس فرم تھی۔ مسلمانوں میں اس پائے کا کوئی دوسرا کنٹریکٹر نہیں تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اس فرم نے بہت سی اہم عمارات تعمیر کیں۔ جن میں پشاور ریڈیو سٹیشن اور پی ایم جی بلڈنگ لاہور خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

یہ فرم آج تک تعمیراتی کاموں میں مصروف ہے، فرم کے مالک مرحوم چودھری فتح محمد (متوفی ۱۶ دسمبر ۱۹۶۷ء) لاہور کے مشہور ہوٹل لارڈز (LORDS) کے بھی مالک تھے وہ علّامہ کے گہرے دوست بھی تھے نواب زین یار جنگ کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق چودھری فتح محمد کنٹریکٹر نے کام شروع کر دیا۔ خان بہادر محمد سلیمان بحیثیت انجینئر رہنمائی کر رہے تھے۔ خان صاحب موصوف سنٹرل انڈین پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ میں چیف انجینئر تھے بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ کا شاندار مقبرہ بھی بعد کو انہیں کی زیرِ نگرانی تعمیر ہوا۔ مزار کمیٹی کی درخواست پر خان صاحب نے اپنی خدمات بلا معاوضہ پیش کر دیں میاں بشیر احمد جو بعد میں ترقی پا کر ایس ڈی او۔ پاک پی ڈبلیو ڈی (P.W.D.) ہو گئے ان دنوں اوورسیئر تھے اُنہوں نے بھی مزار کمیٹی کے کہنے پر اعزازی طور پر تعمیر مزار میں کام کیا۔ ایک لاکھ روپے کی رقم میں تعمیری سامان کی فراہمی، تعمیری اخراجات اور مزدوری وغیرہ سب کچھ ٹھیکیدار کے ذمے تھا۔ تاہم اُنہوں نے علّامہ سے دوستی کی بنا پر ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے رقم میں معقول حد تک چھوٹ کر دی۔

تعمیر میں تاخیر

ممکن ہے کہ عمارت کو ایک نظر دیکھنے والا یہ خیال کرے کہ نقشہ حیدر آباد کے چیف آرکیٹیکٹ زین یار جنگ نے تیار کر دیا۔ ہندوستان کے اے کلاس کنٹریکٹر چودھری فتح محمد نے ایک لاکھ روپے میں مزار کی تکمیل کا بیڑا اُٹھالیا۔ چیف انجینئر خاں بہادر محمد سلیمان اور اوورسیئر میاں بشیر احمد نے بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کر دیں تو یہ مختصر سی ایک ہی کمرے کی عمارت ہفتوں میں نہیں تو مہینوں میں تعمیر ہو گئی ہو گی ـــــ جی نہیں ایسا نہیں ہؤا بلکہ یہ عمارت مہینوں نہیں سالوں میں جا کے مکمل ہوئی۔

۱۹۴۶ء کے آخر میں کام شروع ہؤا اور ۱۹۵۰ء میں مزار پایۂ تکمیل کو پہنچا اب قدرتی طور پر زائر کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس قدر تاخیر کا سبب کیا تھا۔ کام کے شروع کرنے میں تاخیر کی طرح تعمیر کرنے میں منجملہ دیگر وجوہ کے چند اسبابِ تاخیر جو سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں۔

اولاً۔ آج سے کوئی پینتیس چھتیس سال پہلے ایک لاکھ کی خطیر رقم فراہم کر لینا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج افراطِ زر کے زمانے میں ہے۔ مزار کمیٹی نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ عطیات کی عام اپیل نہیں کی جائے گی۔ صرف خاصانِ بارگاہِ اقبالؒ ہی یہ بار اٹھائیں گے۔ یہ اقدام اس لئے کیا گیا کہ اقبالؒ نے تمام عمر درویشی، بے نیازی اور فقر کا پرچار کیا ہے آج اگر ان کے مزار کے لئے محتاجی، نیاز کیشی اور گدائی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا تو اس سے ان کی رُوح سخت بے چین ہو گی۔ ایک طرف یہ امر مزار کمیٹی کے چہرے پر بدنما داغ ہو گا تو دوسری طرف پیغام اقبال کی کھلی توہین۔

چنانچہ تعمیر میں تاخیر کا ایک اہم سبب عطیات کا بروقت فراہم نہ ہونا تھا۔

ثانیاً: مزار کمیٹی چاہتی تھی کہ مزار محکمانہ پابندیوں کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اس انداز کا ہونا چاہیئے جس سے مسجد کا تقدس بھی بحال رہے مسلمانوں کے فنِ تعمیر کے شاہ پارے (قلعہ) سے مناسبت بھی رہے اور آس پاس کے ماحول کے ساتھ بھی ہم آہنگی ہو۔

اس مقصد کے لئے سنگ سُرخ کی ضرورت پر زور دیا گیا اسلئے کہ یہی پتھر شاہی مسجد میں استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن دُشواری یہ تھی کہ یہ پتھر قُرب وجوار سے دستیاب نہ تھا۔ چودھری فتح محمد ٹھیکیدار نے یہ پتھر بروٹی (باری) ریاست دھولپور (ہندوستان) سے مہیا کیا۔ دھولپور سے باری تک ریلوے کی برانچ لائن جاتی ہے یہیں سے مُغل عمارات کیلئے سنگ سُرخ جایا کرتا تھا۔

مکرانہ نزد جھیل سانبھر ریاست جودھولپور (ہندوستان) سے سنگِ مرمر فراہم کیا گیا۔ جس کا کچھ حِصّہ کھوکھراپار (سندھ) کی راہ سے منگوایا گیا۔

دہلی، آگرہ اور مکرانہ کے کاریگروں نے اس پتھر کو تراشا۔ انہیں کاریگروں کے آباء واجداد نے تاج محل اور مُغلیہ عہد کی دیگر عمارات کے پتھروں کو تراشا تھا اور ان کی تعمیر میں حِصّہ لیا تھا خصوصاً مکرانہ کے کاریگر سنگِ مَرمَر تراشنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ مزار میں استعمال ہونیوالا سنگِ مَرمَر مکرانہ ریاست (جے پور) سے لایا گیا۔ پہلے آرڈر کے مطابق پہلے سُرخ پتھر ریل گاڑی کے ذریعے براستہ امرتسر لایا گیا۔ مگر بعد میں پتھر کا آنا رُک گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے ہنگامے شروع ہو گئے۔ پاکستان کا قیام عمل میں آیا کچھ لدا ہوا پتھر راستے میں رہ گیا جسے سِکھوں نے لُوٹ لیا۔ یہی لُوٹا ہوا پتھر بعد میں سکھوں نے امرتسر کے رام باغ میں استعمال کیا پاکستان بن جانے کے بعد جب دونوں جانب انتقال آبادی کا کام مکمل ہو چکا تو ضرورت کا مزید پتھر سڑکوں پر لاد کر لاہور لایا گیا۔

درمیان میں کبھی کبھار مقامی طور پر بھی مشکلات پیش آتی رہیں مگر اُن پر حکومت پاکستان کے تعاون سے قابو پا لیا گیا۔ مثلاً ایک دفعہ سیمنٹ کی اس قدر قِلّت ہو گئی کہ

تعمیر کا کام روکنا پڑا مگر حکومت سے رجوع کرنے پر اسے اہم سمجھ کر ترجیحی بنیادوں پر سیمنٹ فراہم کر دیا گیا جس سے تعمیر مزار کا کام جاری رہا۔

یوں مزار اقبالؒ کوئی چار ساڑھے چار سال کے عرصے میں تکمیل پذیر ہوا۔ مزار کمیٹی نے بخیر و خوبی یہ کام انجام دے دیا۔

۱۹۵۰ء کے بعد ایک عرصے تک اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

محکمہ آثارِ قدیمہ کی تحویل میں

مزار ابھی زیرِ تعمیر ہی تھا کہ ۱۳ر جون ۱۹۴۹ء کو محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں آ گیا فروری ۱۹۵۰ء میں مزار اقبال تکمیل پذیر ہوا اور ایک ملازم مقرر کر دیا گیا جس کے ذمے بیک وقت مزار کی دیکھ بھال بھی تھی اور زائرین کی رہنمائی بھی۔ جنوری ۱۹۶۰ء میں محکمہ اوقاف معرضِ وجود میں آیا۔ چونکہ یہ جگہ مسجد کے ساتھ ملحق تھی لہٰذا محکمہ آثار قدیمہ کے ساتھ ساتھ محکمہ اوقاف کا بھی اس میں عمل دخل رہا۔ اس دوران میں محکمہ آثارِ قدیمہ بھی خاصی دلچسپی لیتا رہا اس امر کا ثبوت فروری ۱۹۶۵ء میں اس وقت کے محکمہ آثارِ قدیمہ لاہور کے سپرنٹنڈنٹ محمد ولی اللہ خاں (موجودہ ڈائریکٹر پراجیکٹس محکمہ اوقاف) کی اقبال اکیڈیمی کے چیئرمین خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لاء کے ساتھ خط و کتابت سے بخوبی ملتا ہے اس مراسلت میں خاں صاحب مذکور نے خواجہ صاحب کو چوکیدار کی تبدیلی اور مزار کی صفائی کے بارے میں لکھا نیز یہ بھی شکایت کی کہ موزے نہ ہونے کی وجہ سے بیرون ملک کا ایک وفد مزار کے اندر نہ جا سکا جس پر خواجہ صاحب نے جوابی خط میں وفد کی آمد کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔

محکمہ اوقاف کی انتظامی نگرانی میں

محکمہ اوقاف کی انتظامی نگرانی میں آنے کے بعد مزار کی تزئین و آراستگی کے بعض اقدامات کئے گئے۔

اولاً پیتل کا ایک فانوس سقفی حصّے کے عین وسط میں آویزاں کیا گیا جہاں لفظ "محمدؐ" نقش ہے اور اس کے اردگرد چار مرتبہ لفظ "اقبال" اُبھرے ہوئے نقوش میں ہے۔ محکمہ اوقاف کے ریکارڈ کے مطابق اس فانوس کی مالیت ۹۰۰/- روپے ہے۔

ثانیاً محکمہ اوقاف نے فرش کو مزّین کرنے کے لیے ایک قالین بنوایا جو آج کل فرش پر بچھا ہوا ہے جگہ کی مناسبت سے قالین چار پارچوں میں ہے دونوں لمبے ٹکڑوں کی پیمائش یہ ہے۔

(i) ۶ً-۱۳َ×۹ً-۵َ، (ii) ۲ً-۱۳َ×۹ً-۵َ،

دونوں چھوٹے ٹکڑوں کی پیمائش حسبِ ذیل ہے۔

(iii) ۴ً-۱۲َ×۸ً-۲َ، (iv) ۳ً-۱۲َ×۹ً-۲َ،

یہ قالین ۱۳۱۹۳/۰۰ روپے میں بن کر تیار ہوا۔

محکمہ اوقاف نے اپنی پوری کوشش کر کے مزار کی نگہداشت اور تزئین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

اس دوران میں مرکزیہ مجلس اقبال محکمہ اوقاف کی معاونت کر کے مزار کی نگرانی کے فرائض انجام دیتی رہی۔

محکمہ آثارِ قدیمہ کی عارضی انتظامی نگرانی

حکومت پاکستان نے ۲۹ جولائی ۱۹۷۴ء کو ایک ۲۹ رکنی کمیٹی تشکیل دی جس کا کام اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کا اہتمام کرنا تھا اس کمیٹی کے چیئرمین وزیر اعظم تھے اور چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کے علاوہ ماہرین اقبالیات بھی اس میں شامل تھے چونکہ اب اقبال کے صد سالہ جشن کی آمد آمد تھی اس لئے مزار اقبالؒ کو شیراز میں شیخ سعدیؒ اور خواجہ حافظؒ کے مزاروں کی طرز تعمیر پر تعمیر نو کا منصوبہ بنایا گیا مگر بعد ازاں یہ منصوبہ بوجوہ ترک کر دیا گیا اور موجودہ مزار ہی کی تجدید و توسیع کا منصوبہ زیر عمل آیا اس مقصد کے لئے مزار ۱۱ اگست ۱۹۷۶ء کو عارضی طور پر محکمہ آثارِ قدیمہ کی انتظامی نگرانی میں دے دیا گیا۔

اوائل ۱۹۷۶ء میں محکمہ آثارِ قدیمہ کے سپرد کرنے سے پہلے ڈائریکٹر جنرل پاکستان رینجرز لاہور کی زیرِ صدارت اس کے دفتر میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں آئندہ کے لائحہ عمل پر غور کیا گیا۔ جس میں میاں امیر الدین اور ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال نے بھی شرکت کی۔ طے یہ کیا گیا کہ مزار اقبال کے تقدس اور شان و شکوہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے درج ذیل توسیعی اقدامات کئے جائیں۔

(i) مزار قائد اعظمؒ کی طرح مزار اقبالؒ کے چاروں کونوں پر ۴ سنتری پہرے داروں کی صورت میں کھڑے کئے جائیں۔

(ii) مزار کے اردگرد ایک چبوترہ تعمیر کیا جائے۔

(iii) شاہی مسجد اور مزار اقبالؒ کی مناسبت سے تمام توسیعی کام کے لئے سُرخ پتھر استعمال کیا جائے۔

حکومت پاکستان نے بتاریخ ۲۱ر جون ۱۹۷۶ء ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے تجدید و توسیع مزار کی تکمیل کے لئے ۹ ارکان پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی جس میں مندرجہ ذیل اصحاب شامل تھے:

۱۔ محمد اکبر ڈائرکٹر جنرل، پاکستان رینجرز لاہور، چیئرمین
۲۔ میاں امیر الدین، لاہور رکن
۳۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال، لاہور رکن
۴۔ محمد ولی اللہ خاں، محکمہ اوقاف، لاہور رکن
۵۔ سپرنٹنڈنگ انجنیئر، پاک۔پی۔ڈبلیو ڈی، لاہور رکن
۶۔ احمد نبی خاں، سپرنٹنڈنٹ آثار قدیمہ، لاہور رکن/سیکرٹری
۷۔ ڈائریکٹر محکمہ آثارِ قدیمہ کراچی رکن
۸۔ انٹیریئر ڈویژن، اسلام آباد رکن
۹۔ ڈی۔ایف۔اے (تعلیم) اسلام آباد رکن

احمد نبی خاں سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثارِ قدیمہ اور محمد ولی اللہ خاں ڈائریکٹر پراجیکٹس (کنزرویشن برائے تاریخی عمارات محکمہ اوقاف) کو تخمینہ، اخراجات اور نقشے بنانے کے کام پر مامور کیا گیا۔ سُرخ پتھر دستیاب نہ تھا اس کے لئے ملتان زون کے ناظم اوقاف سے رابطہ قائم کر کے مزار بابا فرید شکر گنج پاک پتن سے سنگ سُرخ مستعار لیا گیا۔ کچھ بچا کھچا سنگ سُرخ شالامار باغ اور شاہی قلعہ لاہور سے دستیاب ہو گیا۔

مرکزیہ مجلس اقبال کے ارکان میں سے میاں امیر الدین اور جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے کمیٹی برائے تجدید و توسیع مزار کے اجلاس میں شرکت کر کے طے کیا کہ توسیع کا کام پاکستان رینجرز اور محکمہ آثار قدیمہ کے سپرد کر دیا جائے اور اس میں صد سالہ کمیٹی برائے

جشنِ ولادت اقبالؒ کو شامل نہ کیا جائے۔

تجدید و توسیع کا کام محکمہ آثارِ قدیمہ اور پاکستان ریجرز کے زیرِ اہتمام یکم جون ۱۹۷۶ء سے شروع ہو گیا۔ ہشت پہلو مربع اور دیگر اشکال کے سنگِ سُرخ کے ٹکڑوں کو روشنائی دروازہ کے سامنے تیار کرنا شروع کر دیا گیا۔ یہ کام دن رات جاری رہتا۔ بعض اوقات موسم کی خرابی اور شدید بارشوں کی وجہ سے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی رہی۔ تاہم منتظمین نے سرگرمی سے کام جاری رکھا۔ اس کام میں شرافت اللہ قریشی (کنزرویٹر محکمہ آثارِ قدیمہ شمالی سرکل) نے بڑی مستعدی کا مظاہرہ کیا۔ تجدید و توسیع مزار کا کام محکمہ آثارِ قدیمہ کی سرگرمی کار کی وجہ سے کم و بیش پانچ ماہ کے عرصے میں تکمیل پذیر ہو گیا اور دسمبر ۱۹۷۶ء تک علامہ کے حضور میں خراجِ عقیدت کے طور پر محافظ مقرر کر دیئے گئے۔

تجدید و توسیع کے لئے حکومت پاکستان نے ۷۶-۱۹۷۵ء کے مالی سال کے بجٹ میں محکمہ آثارِ قدیمہ کو ایک معقول زائد رقم کی منظوری دی۔ تجدید و توسیع کے منصوبے میں ذیل کا کام انجام پذیر ہوا:

(i) سنگِ سُرخ کا بیرونی چبوترہ بنایا گیا جس پر مختلف ہندسی اشکال کے پتھر استعمال کئے گئے۔

(ii) سنگِ سُرخ کے توسیعی چبوترے کے چاروں کونوں پر ستلج ریجرز کے سنتریوں کے کھڑے ہونے کے لئے چار برجیاں سنگ سُرخ ہی سے تعمیر کی گئی ہیں۔

(iii) چبوترے کے چاروں طرف چھوٹی اینٹوں سے ایک روش بنائی گئی ہے۔

(iv) نو تعمیر شدہ چبوترے کے چاروں طرف پیتل کی زنجیر چھوٹی چھوٹی سنگی برجیوں سے ملا کر باڑ کی صورت میں نصب کی گئی ہے۔

(v) مزار کے شمال مغرب اور جنوب کی طرف ایک سبزہ زار آراستہ کیا گیا ہے جو مغرب

اور جنوب میں بیلوں کی باڑ سے ڈھکا ہوا ہے اس سبزہ زار میں مختلف تختہ ہائے گل زائرین کو دعوت نظارہ دیتے ہیں۔

(vi) حضوری باغ کی بھی تزئین کی گئی تاکہ مزار کا ماحول آراستہ پیراستہ رہے۔

(vii) بجلی کے ناقص انتظام کو بہتر بنایا گیا۔ مزار کے جنوب مغربی کونے پر واقع بجلی کے کھمبے کو ہٹا دیا گیا۔

۱۹۷۶ء میں ایک ترکی وفد مولانا رومؒ کے مزار سے خاک لایا جسے دو خاک دانوں میں رکھا گیا یہ دونوں خاک دان لوحِ مزار کے دونوں جانب آہنی پنجروں میں نصب کر دیئے گئے۔ ۱۹۷۷ء میں شاہِ ایران کا ہدیتہً بھیجا ہوا ایک قالین ملا مگر وہ مزار کے اندر جگہ کی قلت کی وجہ سے بچھایا نہ جا سکا آج کل وہ اقبالؒ میوزیم میں ہے۔

اب منصوبہ زیرِ غور یہ ہے کہ سامنے کی پختہ سڑک اور مشرقی روش کے درمیان پست سی دیوار مقبرے ہی کی مناسبت سے سنگِ سُرخ سے بنا دی جائے۔

مزار اس وقت عملاً محکمہ آثارِ قدیمہ کی تحویل میں ہے مگر محکمہ اوقاف اور مرکزیہ مجلسِ اقبالؒ بھی مشوروں کی حد تک دخیل ہیں۔

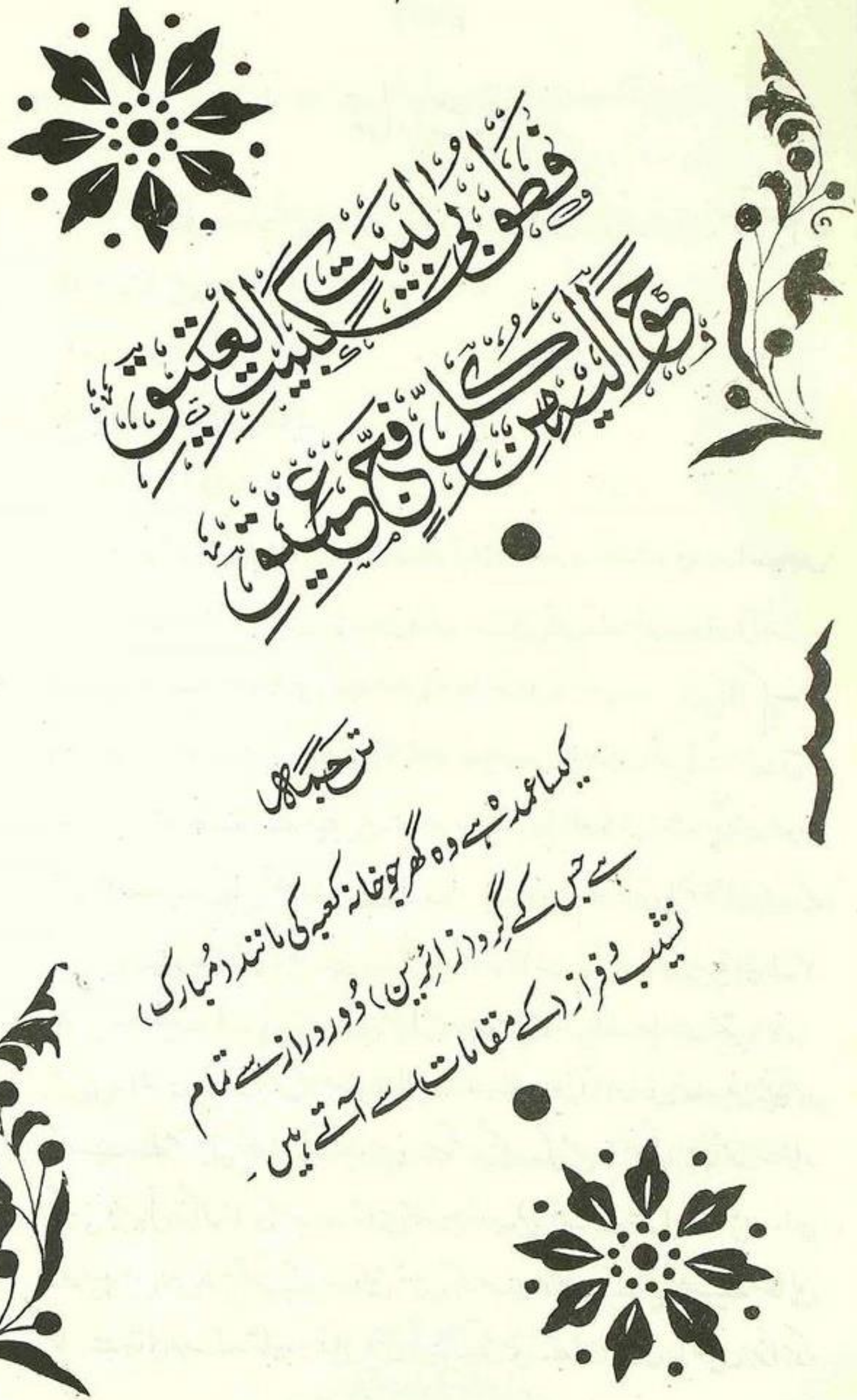

فطوبى لبيت كبيت العتيق
وسعى اليه من كل فج عميق

ترجمہ

کیسا عمدہ ہے وہ گھر جو خانہ کعبہ کی مانند (مبارک)
ہے جس کے گرد (زائرین) دور دراز سے تمام
نشیب و فراز (کے مقامات) سے آتے ہیں۔

عمارتِ مزار

مسلمانوں نے فنِ تعمیر میں بڑی پُرشکوہ عمارتیں بنائی ہیں ان میں تین قسم کی عمارتیں اہم ہیں:

(أ) مساجد

(ب) مقبرے اور درگاہیں

(ج) قلعے اور محلّات

شامی فنِ تعمیر ہو یا مصری، سپین اور شمالی افریقہ کے تعمیراتی کارنامے ہوں، ترکی و ایران کی عمارات ہوں یا پاک و ہند کی، سب میں اُن کے سُتھرے ذوق اور فنِ تعمیر میں مہارت تامّہ کا پتہ چلتا ہے جہاں تک مقبروں کا تعلق ہے ان میں بھی ایک طرف برسرِ اقتدار فرمانرواؤں نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا تو دوسری طرف عقیدت مندوں نے دامے، درمے، قدمے، سُخنے ہر طرح سے بھرپور حصّہ لیا۔ عموماً مزارات پر گُنبد اور مینار بنائے جاتے ہیں قطعِ نظر اس کے کہ وہ اولیائے کرام کے ہوں یا شہنشاہوں کے۔

ہمارے سامنے جو مزار ہے وہ نہ تو کسی شہنشاہ کا ہے نہ کسی رسمی پیرِ طریقت کا بلکہ یہ مزار ایک بلند پایہ مُسلمان مفکّر کا ہے جس کا سرمایۂ حیات فقر اور جس کی دولتِ بیدار اُس کا ملّتِ اسلامیہ کے لئے دھڑکتا ہوا دل تھا۔ مزار فنِ تعمیر کے پہلے سے متعیّن مکاتبِ فکر میں سے کسی ایک کی بھی نمائندگی نہیں کرتا۔ مزار کمیٹی کا خیال تھا کہ شاہی مسجد اور شاہی قلعہ جو مُغلیہ فنِ تعمیر کے شہ پارے ہیں۔ ان کے پہلو میں اس طرزِ تعمیر کے مطابق نہیں بلکہ عہدِ سلاطین کے فنِ تعمیر کے مطابق عمارت بنائی جائے۔ شاید یہ خیال اس وجہ سے کمیٹی کے ذہن میں جاگزیں ہوا ہو کہ

علّامہ نے بھی اپنی کتاب "زبورِ عجم" میں "درفنِ تعمیر مردانِ آزاد" کے عنوان سے ایبک و سُوری کی عمارات کو بنظرِ تحسین دیکھا ہے۔

خیزو کار ایبک و سُوری نگر　　وا نما چشمے اگر داری جگر

خویش را از خود بروں آوردہ اند　　ایں چنیں خود را تماشا کردہ اند

سنگہا با سنگہا پیوستہ اند　　روزگارے را بآنے بستہ اند

ترجمہ(۱): اُٹھو اور ایبک (سلطان قطب الدین متوفّٰی ۲۱ر اکتوبر ۱۲۱۰ء) اور سوری (شیر شاہ متوفّٰی ۱۳ر مئی ۱۵۴۵ء) کے کارنامے دیکھو حوصلہ رکھتے ہو تو آنکھ کھولو۔

ترجمہ(۲)۔ انہوں نے اپنے اندرون کا کُھل کر اظہار کر دیا اس طرح سے اپنے آپ کو دیکھا۔

ترجمہ(۳): پتھروں کو پتھروں کے ساتھ جوڑا اور ایک زمانے کو لمحے میں بند کر دیا ہے۔

طرزِ تعمیر:

ماہرین فن کا کہنا ہے کہ مزار پر مجموعی طور پر نہ مورش (MOORISH) فنِ تعمیر کا نمونہ ہے نہ مُغلیہ نہ شامی ہے نہ ترکی نہ ہندی نہ ایرانی بلکہ یہ خُذ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ۔ (ترجمہ: اچھی چیز لے لو اور آلودہ کو چھوڑ دو) کی نہایت حسین و دلآویز تصویر ہے۔ یُوں کہنا چاہیے کہ نواب زین یار جنگ نے مزار کے محلّ وقوع کے اعتبار سے محکمانہ پابندیوں کے باوجود جہاں تک بن پڑا اپنی ماہرانہ صلاحیتوں کا بھرپُور اظہار کر کے نہایت خوب صورت ڈیزائن پیش کر دیا۔ جو اپنی مثال آپ ہے نہ اس پر روایتی گنبد ہے نہ بلند و بالا مینار، نہ گنبد و مینار کی زیر سازیاں ہیں نہ بوقلمونی نہ کاشی کاری ہے، نہ شدید تاثّر کاری، نہ مصری اور مُغلیہ فنِ تعمیر کی طرح نوکیلی محرابیں ہیں نہ کثیر الاضلاع ڈھولنے۔

بیرونِ در

۱- مزار کمیٹی کا تعمیر شدہ: یہ ۳۰'-۱" × ۲۰'-۱" رقبے کے ایک کمرے پر مشتمل ایک سادہ سی خوبصورت چوگوشہ عمارت ہے جس کی دیواروں کا حجم ½۱۱-۲' ہے جو خالصتہً سنگِ سُرخ سے بنائی گئی ہیں۔ حضوری باغ کا وہ حصہ جس میں مزار کی عمارت واقع ہے اس کا شمالاً جنوباً طول ۱۸۰'-۵" اور شرقاً غرباً عرض ۱۰۱'-۶" ہے سنگ سُرخ کا وہ چبوترہ جس پر یہ عمارت کھڑی ہے بلندی میں ۱۰'-۱" ہے اس کے چاروں کونے شاہی مسجد کے میناروں کی مناسبت سے ہشت پہلو بنائے گئے ہیں۔ شاہی مسجد کی نچلی سیڑھی سے چبوترے تک کا فاصلہ ۹۵'-۴" ہے دوسری طرف شاہی مسجد کے حجروں کی بنیاد سے چبوترے تک کا فاصلہ ۴۶'-۷" ہے۔ شاہی مسجد کے صدر دروازے کو جانے والی پختہ سڑک اور چبوترے کا فاصلہ ۱۸'-۱" ہے۔

ظاہر ہے کہ اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں نہایت عالیشان اور وسیع و عریض مقبرے کی تعمیر ناممکن تھی بجز اس کے شاہی مسجد کے منظر میں خرابی واقع ہو۔ قبل ازیں راجہ رنجیت سنگھ کی سمادھ (تکمیل ۱۸۵۰ء) ہی نے مسجد کے منظر کو کسی حد تک خراب کر رکھا تھا۔ اب مزید خرابی مطلوب نہ تھی۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہوا مسجد کی خوبصورتی کو قائم رکھتے ہوئے ماحول کی مناسبت سے ایک خوب صورت سا مزار تعمیر کر دیا گیا جس کی بلندی ۱۵'-۱۰" رکھی گئی تاکہ دیوار مسجد سے بلندی زیادہ نہ ہونے پائے۔ جہاں تک عمارت کی ساخت کا تعلق ہے یہ عمارت کم ہے اور سنگ تراشی زیادہ ہے دیوارو

کے بیرونی حصّے میں پورے کا پورا سنگِ سُرخ استعمال کیا گیا ہے جس میں سفید بُند کی ہے۔ بام مزار بھی اسی سنگِ سُرخ سے بنایا گیا ہے۔ مشرقی سمت سے پست چبوترے سے گذر کر بلند چبوترے پر چڑھنے کے لئے سنگِ سُرخ کی سیڑھیوں کا درمیانی حصّہ مرمریں بنایا گیا ہے یہ پٹی دہلیز مزار تک چلی گئی ہے۔ اس عمارت کے دروازے ہیں۔ جن کی پیمائش ۶"-۶' × ۰۰-۴' ہے لکڑی کی موٹائی ½۲" ہے۔ ایک دروازہ مزار کی مشرقی دیوار میں ہے۔ دوسرا پائنتی (جنوبی سمت) کی طرف کھلتا ہے دونوں دروازے ساگوان کی لکڑی سے بنے ہوئے ہیں۔ دروازوں کے چوکھٹے بھی مرمریں ہیں جو ۲"-۷' × ۸"-۴' ہیں کواڑوں میں نہایت جاذب نظر مستطیل جالیاں لگائی گئی ہیں دونوں دروازں کی مرمریں جالیوں کا ڈیزائن ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مشرقی دیوار میں دروازے کے دونوں جانب چبوترے کی سطح سے ۶"-۶' بلند مرمریں جالی والے روشن دان ہیں جن میں سنگتراشی ہی کے ذریعے اُبھرواں نستعلیق حروف میں محمد اقبالؒ لکھا ہوا ہے۔ شمالی جانب یعنی مسجد کی سیڑھیوں کی طرف دروازے کی بجائے سنگِ مرمر کی جالی لگائی گئی ہے جس کی پیمائش ۰"-۶' × ۶"-۳' ہے۔ مغربی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں البتہ تین خوشنما روشن دان ہیں جن میں مرمریں جالیاں نصب کی گئی ہیں۔ روشن دانوں کی تمام جالیاں مستطیل ہیں اور ان میں مسدس خانے بنے ہیں۔ مرمریں جالیوں پر نفیس کام مغل فنِ تعمیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ مشرقی اور جنوبی دروازوں اور شمالی جالی کے اوپر گول محرابیں ہیں۔ ان محرابوں کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ اُندلس کے فنِ تعمیر سے مشابہت رکھتے ہوئے مدوّر بنائی گئی ہیں مصری یا ایرانی طرزِ تعمیر کے مطابق نوکیلی نہیں ان نیم دائرہ محرابوں کو چھتے دار سنگ سُرخ کی قلموں سے آراستہ کیا گیا ہے اور یہ انداز مسلمانوں کی اکثر عمارات میں ملتا ہے عمارت کے بیرونی حصّے میں فرش سے

کچھ اوپر چاروں طرف دو جھریاں ہیں جن کے درمیان سنگ سُرخ کا مخروطی اُبھار افقاً سطح فرش کے متوازی عمارت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ خیال جنوبی ہند کی بعض عمارتوں سے ماخوذ ہے چونکہ نواب زین یار جنگ جنوبی ہند ہی سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کے نہاں خانۂ ذہن میں یہ نمونہ بھی تھا۔

عمارت مستطیل ہے مگر اوپر کو اٹھتے ہوئے ہلکا سا مخروطی انداز آگیا ہے جو عہد سلاطین کی بعض عمارات سے مشابہت رکھتا ہے اس قسم کی نہایت عمدہ مثال ملتان میں حضرت شاہ رکن عالم (متوفّٰی ۱۳۲۴ء) کا مزار ہے جو بقول پرسی براؤن (PEPCY BROWNE) نچلی منزل پر واضح طور پر ڈھلوان ہو گیا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت حضرت شاہ بہاء الحق زکریا ملتانی (متوفّٰی ۱۲۶۲ء) کے مقبرے کی بھی ہے جو سطح فرش پر چوڑا ہے اور اوپر سے مخروط نما ہو گیا ہے۔ تاہم ان مزاروں پر روائتی گنبد ہیں اور ہمارے پیشِ نظر مزار پر کوئی گنبد نہیں۔ بام کے قریب چاروں طرف کم و بیش اڑھائی فٹ چوڑا ایک چھجّہ ہے۔

شمالی جانب مَرمَریں جالی کے اوپر خطِ نستعلیق میں علاّمہ کی درج ذیل فارسی رباعی تحریر ہے جو "بہ یارانِ طریق" کے عنوان سے ان کی بعد از وفات نومبر ۱۹۳۸ء میں چھپنے والی کتاب "ارمغانِ حجاز" کے صفحہ ۱۸۵ سے ماخوذ ہے۔

بیا تا کارِ ایں امّت بسازیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجدِ شہر
کہ دل در سینۂ ملّا گداریم

ترجمہ: آؤ اس اُمّت (مُسلمہ) کی کارسازی کریں۔ زندگی کی بازی جوانمردوں کی طرح

کھیلیں۔ شہر کی مسجد میں اس طرح سے روئیں کہ مُلّا (کم علم پیشوائے دین) کے سینے میں دل پگھلا کر رکھ دیں۔

مفہوم: اُمّت کے لئے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو جوشِ جہاد سے معاشرے کو پہلی صدی ہجری کے رنگ میں رنگ دیں۔ محض کم علم حجرہ نشینوں کی ضرورت نہیں جو چند ظاہری رسوم مذہب پر اکتفا کر کے مطمئن ہو بیٹھے ہیں انہیں جھنجوڑ کر رکھ دینے کی ضرورت ہے۔

ب۔ محکمہ آثارِ قدیمہ کی تجدید و توسیع:

۱۹۷۶ء میں محولہ بالا پروگرام کے تحت جو تجدید و توسیع عمارت عمل میں آئی اس میں پہلے چبوترے سے ۰-'۱-'۱ پست چبوترہ تعمیر کیا گیا۔ اس چبوترے کی لمبائی ۱-'۶۷' اور چوڑائی ''۰-'۶۶ ہے۔ یہ چبوترہ سنگِ سُرخ کے ہشت پہلو اور مربع تراشیدہ ٹکڑوں سے بنایا گیا ہے جو باہر کی چھوٹی اینٹوں کی روش سے ''۶ بلند ہے۔ اس چبوترے کے کنارے پر مستطیل سنگِ سُرخ کا حاشیہ لگایا گیا ہے۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں جن میں ستلج رینجرز کے چاق چوبند چار جوان پہرہ داری کرتے تھے۔ اس وقت بیک وقت ایک ہی جوان ڈیوٹی پر حاضر رہتا ہے تاہم ۲۳ مارچ (یومِ جمہوریہ) ۱۴ اگست (یوم پاکستان) ۶ ستمبر (یوم دفاع) اور ۹ نومبر (یوم اقبال) کے خاص مواقع پر چار باوردی جوان متعین ہوتے ہیں۔ ان چاروں مواقع پر فضائیہ (۲۳ مارچ) بری فوج (۱۴ اگست) اور پاکستان رینجرز (۶ ستمبر، ۹ نومبر) کے جوان مقرر کئے جاتے ہیں۔ اہم شخصیت کی آمد پر خیر مقدم کے طور پر بگل بجایا جاتا ہے مزار کے دو رویہ کھڑے جوان سلامی دیتے ہیں۔ فوجی بینڈ پر قومی ترانہ بجایا جاتا ہے اُس روز کی اہم شخصیت مزار پر پھولوں کی

چادر چڑھائی ہے۔ اس سال علامہ کے یوم ولادت کے موقع پر بحری فوج کے جوان سلامی دینگے۔

چاروں کونوں کی بُرجیاں مزار کی مناسبت سے ہمشکل بنائی گئی ہیں ان بُرجیوں کی تعمیر سے پہلے ان کے چوبی نمونے بنائے گئے تھے۔ کئی بار ان چوبی نمونوں کو مخصوص مقامات پر رکھ کر بنظرِ غائر جائزہ لیا گیا۔ محمد اکبر خاں ڈائریکٹر جنرل پاکستان رینجرز، محمد ولی اللہ خاں اور احمد نبی خاں نے بڑی تندہی سے ان ماڈلوں کا جائزہ لے کر بُرجیوں کی مزار کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کو ملحوظ رکھا۔ ان بُرجیوں میں ہر ایک میں چار چار ستون ہیں۔ ہر ستون کی بلندی ۷"-۷' ہے۔ ہر بُرجی کے چاروں در محرابی ہیں۔ محرابوں کی بلندی ۰"-۷' ہے اور یہ بُرجیاں اندر سے ۱۰"-۷' بلند ہیں۔ ستونوں کا درمیانی فاصلہ ۱"-۳' ہے۔ اس نَو تعمیر چبوترے کا ایک پیتل کی زنجیر سے احاطہ کیا گیا ہے جو سنگِ سُرخ کی ۲"-۲' بلند چھوٹی چھوٹی بُرجیوں میں پیوست ہے۔ ان چھوٹی بُرجیوں کی تعداد مشرق و مغرب میں دس دس ہے اور شمال و جنوب میں آٹھ آٹھ۔ اس چبوترے کے اردگرد چھوٹی اینٹوں سے ایک روش بنائی گئی ہے۔ ایک اور روش چبوترے سے مسجد کی سیڑھیوں تک چلی گئی ہے۔ اس طرح چمن زار دو چھوٹے بڑے حصوں میں بٹ گیا ہے۔ چمن زار میں مور پنکھ کے پودے اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ تختہ ہائے گل کی اپنی شان ہے۔ اس چمن زار کے جنوب اور مغرب میں چار رنگی پھولوں کی قدِ آدم سے بلند بیل لگا دی گئی ہے۔ جسے اینگل آئرن اور خاردار تاروں سے سہارا دیا گیا ہے یوں یہ بیل باڑ کا کام دیتی ہے۔

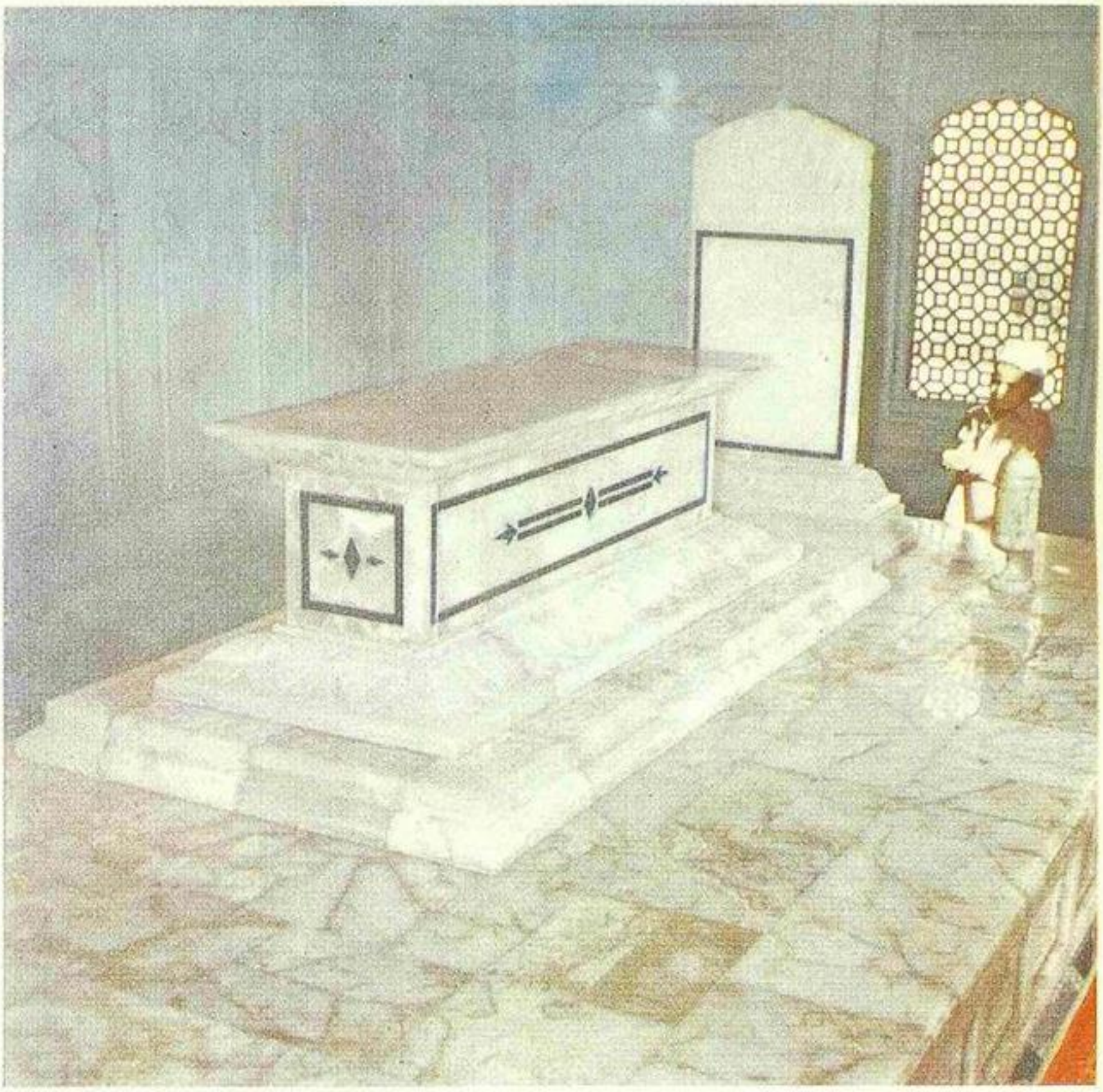

زیارتگاہِ اہلِ عزم و ہمّت ہے لَحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

(اقبالؒ)

بر سرِ تربتِ من چوں گذری ہمّت خواہ

کہ زیارتگہِ رندانِ جہاں خواہد بود

خواجہ حافظؒ شیرازی

ترجمہ: جب تم میری قبر سے گذرو تو عزم بلند کی طلب کرو۔

کیونکہ یہ (مزار) دُنیا کے آزاد منش انسانوں کی زیارت گاہ بنے گا۔

دَرُونِ دَر

آپ مزار کے پورے بیرونی ماحول سے باخبر ہوکر مزار کے اندر آئیے۔ عمارت کا اندرون سنگِ مَرمَر سے سجایا گیا ہے سقفی حصّہ بھی مَرمَریں ہے۔ دیواریں سنگِ مَرمَر کی اُلواح سے مزین ہیں۔ یہ تختیاں بالکل سادہ ہیں نہ ان میں کوئی رنگ ہے نہ شدید تاثر نہ پیچیدگی۔ ان پر محض اُبھرواں نقوش میں مختلف چھوٹی بڑی ہندسی اشکال ہیں جو سادگی کے باوجود پرکاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں سقفی حصّہ پھُولوں اور بیلوں کی مُنبّت کاری سے آراستہ ہے۔

۱۔ خطّاطی: چاروں دیواروں پر سقف سے کچھ نیچے قرآن پاک کی ایک پوری آیت اور تین آیات کے بعض حصّے بڑی نفاست سے کندہ ہیں جن میں سنگ موسیٰ پچی کیا ہوا ہے۔ یہ آیاتِ الٰہی ملک کے نامور خطّاط اور صاحبِ طرز خوشنویس حافظ محمد یوسف سدیدی (ولادت ۱۹۲۰ء) کے قلم کا کرشمہ ہیں۔

مشرقی دیوار سورۂ انبیاء کی پوری آیت نمبر ۱۰۵ تزئینی خط ثلث میں لکھی ہوئی ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے ذکر (تورات کے) بعد زبور میں لکھ دیا ہے یہ کہ زمین میرے نیک بندوں کی وراثت ہوگی۔

شمالی دیوار میں اسی بلندی پر خط ثلث تزئینی ہی میں سورۂ ابراہیم کی چوبیسویں آیت کا یہ ٹکڑا درج ہے جو علامہ کو بہت مرغوب تھا۔

كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ۔

ترجمہ: پاکیزہ بات کی مثال پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑیں مضبوط اور ٹہنیاں آسمان میں ہوتی ہیں۔

جنوبی دیوار میں سورۂ ابراہیم ہی کی ستائیسویں آیت کا یہ حصّہ خط ثلث تزئینی میں درج ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ۔

ترجمہ: اہل ایمان کو اللہ پختہ بات سے ثابت قدم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جہاں تک مغربی دیوار کا تعلق ہے اس پر سورۃ توبہ کی چالیسویں آیت کا یہ ٹکڑا خط کوفی تزئینی میں لکھا ہوا ہے۔

كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا

ترجمہ: کلمہ اللہ ہی کا بلند ہے۔

سقف پر حاشیائی حصّے میں چاروں طرف علامہ کی کتاب "زبورِ عجم" (۱۹۲۷ء) کے حصّہ دوم کی غزل نمبر ۵۸ بتمام وکمال لکھی گئی ہے۔ اس فارسی غزل کے کل چھ شعر ہیں۔ سقف کے مغربی حصّے پر پہلے دو شعر جنوبی حصّے پر تیسرا شعر مشرقی حصّے پر چوتھا اور پانچواں شمالی حصّے پر مقطع کندہ ہے۔ یہ اشعار سنگ موسئے ہی سے پچی کئے گئے ہیں۔ یہ اشعار بڑے ہی نظر نواز خط نستعلیق میں محمد اقبالؒ ابنِ پروین رقم (متوفی ۶ر اکتوبر ۱۹۷۶ء) نے لکھے ہیں جو منشی عبدالمجید پروین رقم (متوفی ۴ر اپریل ۱۹۴۶ء)

کے خلف الرشید تھے۔

غزل

دمِ مرا صفتِ بادِ فرودیں کردند
گیاہ راز سرِشکم چو یاسمیں کردند

نمودِ لالۂ صحرا نشیں زخونابم
چنانکہ بادۂ لعلے بسا تگیں کردند

بلند بال چنانم کہ بر سپہر بریں
ہزار بار مرا نوریاں کمیں کردند

فروغِ آدمِ خاکی زتازہ کاری ہاست
مہ و ستارہ کنند آنچہ پیش ازیں کردند

چراغِ خویش برافروختم کہ دستِ کلیم
دریں زمانہ نہاں زیرِ آستیں کردند

درآ بسجدہ و یاری زخسرواں مطلب
کہ روزِ فقر نیاگانِ ما چنیں کردند

ترجمہ (۱) کارکنانِ قضا و قدر نے) میری سانس (کلام) کو موسم بہار کی ہوا طرح (حیات بخش) بنا دیا ہے۔ اور موسم بہار میں اُگنے والی) گھاس کو میرے آنسوؤں نے چنبیلی کے پھولوں میں بدل دیا ہے۔

مفہوم: میرے کلام کے مطالعے سے معمولی حیثیت سے اعلیٰ حیثیت اختیار کی

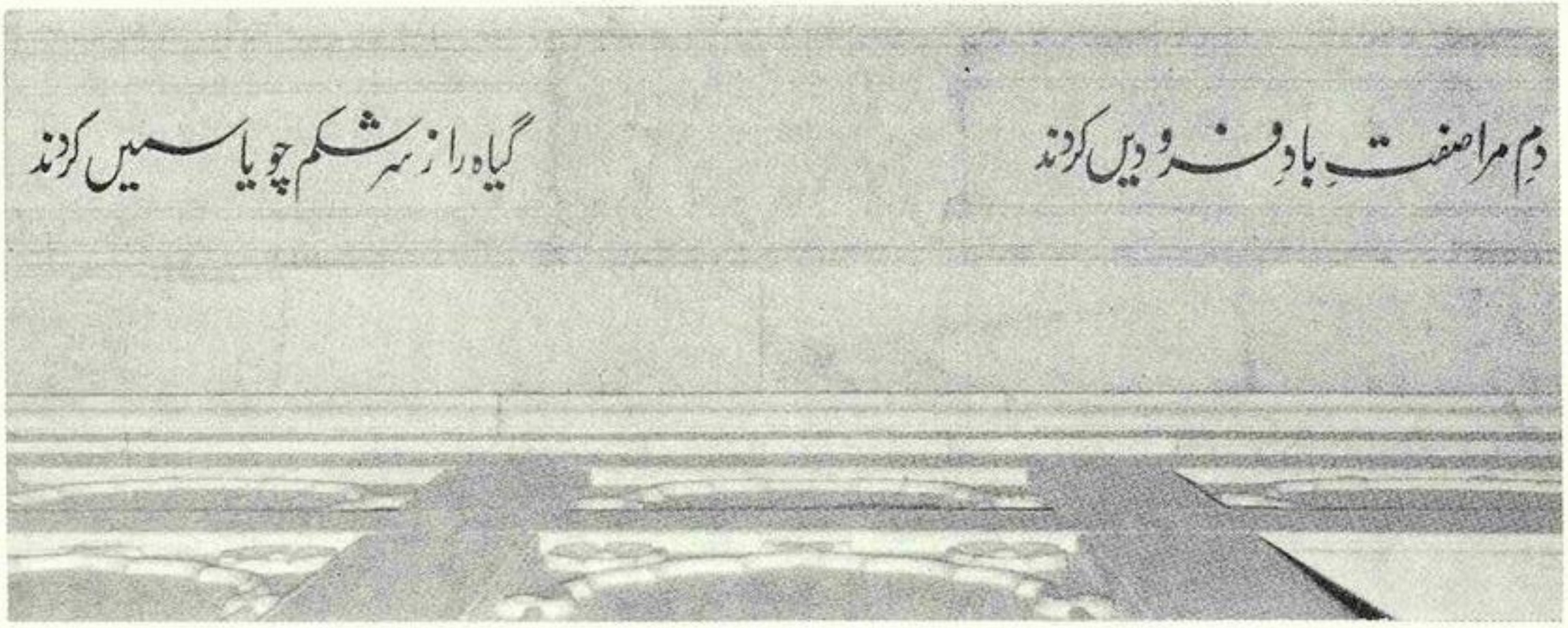

زبورِ عجم کی غزل نمبر ۵۸ کا مطلع - ابنِ پروین رقم کی فنی مہارت کا شاہکار

جاسکتی ہے۔

۲۔ صحرا میں اُگنے والے پوست کے پھولوں کی دلکشی و رنگینی میرے مصفّٰی خون (جذبۂ عشق) کی بدولت ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح سرخ رنگ کی شراب (گل لالہ کے) پیالے میں بھر دی گئی ہو۔

مفہوم: حسنِ فطرت کی رنگینیاں حضرت انسان کے جذبۂ عشق کی مرہونِ منّت ہیں

۳۔ میں اس قدر بلندیوں پر پرواز کرنے والا ہوں کہ آسمان کی رفعتوں میں نوری مخلوق (حور و فرشتہ) ہزاروں مرتبہ میری گھات میں رہی۔

مفہوم: چونکہ میرا مقصود لقائے الٰہی ہے اس لئے مجھے اللہ کے سوا کسی دوسری مخلوق سے دلچسپی ہی نہیں رہی۔

۴۔ انسان کی فضیلت کا راز اس کے نت نئے کارہائے نمایاں انجام دینے میں ہے (درآنحالیکہ) چاند اور ستارے وہی کچھ کر رہے ہیں جو پہلے کیا کرتے تھے۔ (ایک ہی ڈگر پر چل رہے ہیں اور تازہ کاری سے محروم ہیں۔)

مفہوم: تخلیقی قوت نے انسان کو مظاہر فطرت کے مقابلے میں اشرف المخلوقات بنا دیا ہے۔

۵۔ مَیں نے اپنا دیا اس لئے جلا لیا ہے کہ اس دَور میں (کارکنانِ قضا و قدر نے) ید بیضا آستین میں چھپا لیا ہے۔

مفہوم: میں درس خودی اور جوشِ جہاد کی تحریک اس لئے دے رہا ہوں کہ دور حاضر میں امت میں نور بصیرت سے خالی مدعیانِ خود آگاہی ہیں اور تبلیغِ جہاد سے بے خبر حجرہ نشین۔

۶۔ (اے مسلمان رب ذوالجلال کے حضور میں) سجدہ ریز ہو جا اور اہلِ اقتدار کے

سامنے دستِ سوال دراز نہ کر کیونکہ ہمارے آباء و اجداد کا بوقت حاجت یہی وتیرہ رہا ہے۔

مفہوم: وقت کے فرمانرواؤں کے در پہ سر نیاز خم کرنا مسلکِ اسلاف سے روگردانی ہے کیونکہ سجدہ ریز اس کے سامنے ہونا چاہیے۔ جو کارسازِ حقیقی ہے۔

قرآنی آیات اور اشعارِ اقبالؒ چودھری محمد حسین اور ان کے ساتھیوں نے گہرے غور و خوض کے بعد ہزاروں آیات اور سینکڑوں اشعار سے منتخب کئے ان اشعار و آیات سے علامہ کے فکر، رفعت تخیّل اور بلند نصب العین کا پتہ چلتا ہے۔ ایک اجنبی زائر بھی ان کا مفہوم سمجھنے کے بعد علامہ کے فکری رجحانات، نظری میلانات اور سیرت و کردار کے مختلف گوشوں سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔

جہاں تک سقف کا تعلق ہے وہ ابھرواں کلکاری سے مزین ہے۔ سقف کے عین وسط میں ایک بیضوی حلقہ بنایا گیا ہے جس میں بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ حلقے کے مرکز میں ایک ہشت پہلو ستارہ ہے۔ جس کے نقطۂ ماسکہ میں پیتل کا ایک فانوس آویزاں ہے جو محکمہ اوقاف کی علامہ سے وابستگی کا مظہر ہے اس مرکزی حصے میں خطِ ثلث ہی میں لفظ "محمدؐ" مرمریں منبّت کاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ لفظ "محمدؐ" کے چاروں طرف ابھرواں مرمریں حروف ہی میں چار مرتبہ لفظ اقبالؒ لکھا گیا ہے۔ ہر لفظ "اقبال" کے حرف "ل" کا میلان لفظ "محمدؐ" کی طرف رکھا گیا ہے سقف تمثیلی اشاریت کی حامل ہے یعنی اقبالؒ فیضانِ محمدی ہی سے فیضیاب ہے۔ اسی مرکز سے فانوس تعویذ پر لٹکا ہوا ہے جو اس بات کا غماز ہے کہ سرورِ کائناتؐ کی ذات گرامی سرچشمہ نور ہے، فانوس اُس نور کا جسّی پیکر ہے نیچے مرقد میں صاحبِ قبر اسی نورِ محمدیؐ کی ضیاباریوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

ب ۔ تعویذِ مزار: مزار کا چبوترہ خوبصورت (ARAGONITE) پتھر کی سلوں کا ہے۔ تعویذ چبوترے سے ۱' ۔ ۲" بلند ہے عین بالائی حصہ مستطیل ہے جو بالکل صاف وشفاف ہے۔ زیرین حصے کا طول ۷' ۔ ۶" ہے اس حصے میں تزئینی برگ و بار کی مُنبّت کاری ہے درمیانی حصے میں شرقی وغربی جانب سیاہ حاشیوں کے اندر نیلی پٹیاں اُفقی سمت میں نمایاں کی گئی ہیں۔ شمال وجنوب میں مستطیل نما شکل کا ایک ایک خوبصورت نمونہ بنایا گیا ہے۔ لوح مزار سمیت چبوترے اور تعویذ کا مرمریں پتھر سارے کا سارا حکومت افغانستان کا عطیہ ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سردار صلاح الدین سلجوقی حکومت افغانستان کی طرف سے حکومت ہند میں قونصل جنرل تھے وہ علّامہ کے فکر وفن اور شخصیت کے بہت بڑے مدّاح تھے ان کی کوششوں سے حکومت افغانستان نے مزار اقبالؒ کمیٹی کو یہ سامانِ ہدیۃً بھیجا۔

یہ پتھر سنگ لاجورد (LAPISLAZULI) ہے جو ہے تو سفید مگر اس میں نیلے رنگ کے نہایت باریک ریشے سے ہیں جو روشنی پڑنے پر نیلگوں ہو کر چمکتے ہیں گویا پتھر سے نیلی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں یہ پتھر دُنیا بھر میں افغانستان، وسط ایشیا کے بعض مقامات اور چلّی (جنوبی امریکہ) کے بعض علاقوں میں پایا جاتا ہے اور نہایت قیمتی ہے۔ بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ومولانا غلام رسول مہر اس عطیے کی قیمت اس وقت ۳ لاکھ روپے تھی۔ یہی وہ قیمتی پتھر ہے جو ہندوستان میں مُغلیہ سلطنت کے بانی شہنشاہ بابر کے مزار پر کابل میں استعمال کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ حکومت افغانستان نے دو مشعلیں بھی تعویذ کے ساتھ بھیجی تھیں اور ڈیزائن میں شامل تھیں مگر وہ راستے میں نقل وحمل کے دوران میں ٹوٹ گئیں اور نصب کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ مشعلوں کی جگہ کو پُر کر دیا گیا۔

ج۔ لوحِ مزار: قبر کی بالین پر یک لوح مزار ہے یہ بھی سنگ لاجورد ہی کی ہے اور حکومت افغانستان کا تحفہ ہے۔ اس کی بلندی چار فٹ ہے اوپر کے حصے میں ابھرواں ترئین کی گئی ہے۔ اس کے روبہ جنوب یعنی تعویذ کی جانب خطِ ثلث (غیر تزئینی) میں دو سطروں میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان درج ہے۔

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً

وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

ترجمہ: بے شک بعض شعروں میں دانائی ہوتی ہے۔

اور بلاشبہ بعض بیان جادو کا حکم رکھتے ہیں۔

اس کے نیچے لوح کی اسی طرف علامہ کی یہ فارسی رباعی کندہ ہے جو ان کی فارسی کتاب "پیامِ مشرق" (۱۹۲۳ء) کے حصہ لالۂ طور کی ۸۳ ویں رباعی ہے۔ یہ نہایت خوب صورت خطِ نستعلیق میں کندہ ہے۔

نہ افغانیم و نہ[1] ترک و تتاریم

چمن زادیم و از یک شاخساریم

تمیز رنگ و بو بر ما حرام است

کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

ترجمہ: نہ ہم افغان ہیں نہ ترک نہ تاتاری۔

باغ (ہستی) نے ہمیں جنم دیا اور ہم ایک ہی ٹہنی (اصل) کے (برگ و بار) ہیں۔

ہم پر رنگ و بو کی تمیز حرام ہے۔ کیونکہ ہمیں ایک ہی نو بہار نے پالا ہے۔

---

[1] "پیامِ مشرق" میں لفظ "نے" چھپا ہوا ہے مگر کتبے میں "نہ" ہی کندہ ہے۔

مفہوم: مسلمان کی زندگی میں نصب العین اور نظریۂ حیات اہمیت رکھتا ہے رنگ، نسل اور جغرافیائی حد بندیاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔

لوح مزار کی شمالی سمت میں سب سے اوپر کئی قرآنی[1] آیات کا یہ ٹکڑا خطِ ثلث میں کندہ ہے۔ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

ترجمہ: وہ (اللہ تعالیٰ) بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اس کے نیچے یہ سات سطری عبارت خطِ نستعلیق میں ہے۔

شاعر و فیلسوفِ شرق

واکتر محمد اقبالؒ کہ راہ سعی

و عمل و روحِ اسلام بہمگنان

روشناختہ وازیں رو مظہر قبول

اعلیٰحضرت محمد نادر شاہ غازی و ملت

افغان واقع شد۔ در ۱۲۹۴ق تولد یافت و ۱۳۵۷ق

وفات یافت

ترجمہ: مشرق کے شاعر اور فلسفی ڈاکٹر محمد اقبالؒ جنہوں نے کوشش، عمل اور روح اسلام کا راستہ سب کے لئے روشن کر دیا۔ اور اسی وجہ سے وہ اعلیٰ حضرت محمد نادر شاہ غازی اور افغان قوم کے منظور نظر ہوئے۔ ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵۷ء میں وفات پائی۔

---

[1] یونس: ۱۰۷، یوسف ۹۸، قصص: ۱۶، زمر: ۵۳، شوریٰ: ۵، احقاف: ۸۔

لوح مزار کی عبارتیں افغانستان ہی سے کندہ شدہ آئی تھیں یہ وہیں کے کسی ماہر فن خوشنویس کے خامۂ معجز رقم کا اثر ہیں۔ مشہور خطاط سیّد انور حسین نفیس رقم (ولادت ۱۹۳۳ء) کے مطابق یہ خط افغان خوشنویس داؤد الحسینی سے ملتا جلتا ہے مگر یہ قیاس ہے جس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ لوح مزار کی تمام عبارتیں محض کندہ کی ہوئی ہیں جن میں سنگ موسیٰ یا سکہ وغیرہ نہیں بھرا گیا۔

قبر کا چبوترہ، تعویذ اور لوح مزار مختلف ٹکڑوں میں مکمل صورت میں افغانستان سے آئے۔ یہاں کھول کر مزار اقبالؒ کمیٹی اور باہر انجینئروں کی نگرانی میں چودھری فتح محمد ٹھیکیدار نے نصب کرائے۔ ساتھ ہی نقشہ بھی آیا تھا جس کے مطابق ترشے ترشائے متذکرہ ٹکڑوں کو بڑی خوبی سے جوڑ دیا گیا۔ دہلی، آگرہ اور مکرانہ کے کاریگروں نے یہ کام انجام دیا۔

آرزوئے ناتمام

علامہ نے اپنے لوح مزار کے لئے ایک رباعی کہی تھی مگر جب سر راس مسعود کا انتقال ہوا تو انہوں نے وہ رباعی ان کے لوح مزار کے لیے نذر کر دی۔ جو پیامِ مشرق (۱۹۲۳ء) کے حصہ "لالۂ طور" کی ۱۴ ویں رباعی ہے۔

نہ پیوستم دریں بستان سرا دل
زبند این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را رنگ و آبے دادہ رفتم

ترجمہ: میں نے اس باغ میں دل نہ لگایا۔ میں دنیوی پابندیوں سے آزاد چلا گیا میں صبح کی ہوا کی طرح کچھ دیر کیلئے گھوما پھرا۔ پھولوں کو شادابی بخشی اور چلا گیا۔

ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر ایک ہی شعر لوح پر لکھنا مطلوب ہو تو یہ شعر بہتر رہے گا۔

؎ اے برادرِ من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سُبک داں، مرگ را خوابِ گراں

ترجمہ: اے بھائی میں تمہیں زندگی کے بارے میں پتے کی بات بتاؤں۔ نیند کو ہلکی موت سمجھو اور موت کو گہری نیند خیال کرو۔

"ارمغانِ حجاز" گوشۂ گمنامی میں

مشہور اقبال شناس عربی ادیب و شاعر ڈاکٹر عبدالوہاب عزّام مصری نے اپنی کتاب "محمد اقبال، سیرتہٗ و فلسفتہٗ و شعرہ" کے صفحہ ۱۴ پر اپنے پیش کردہ ارمغانِ حجاز کا ذکر بڑی شد و مد سے کیا ہے۔

انہوں نے اپنے چار عربی شعر کندہ کرا کے ایک لوح مزار تیار کرائی اور کمیٹی کے ذمہ دار حضرات کو مزار اقبالؒ پر نصب کرنے کے لئے دی تھی۔ مگر وہ کتبہ آج تک منظرِ عام پر نہیں آیا۔ ڈاکٹر موصوف کی یہ عقیدت مندانہ، دلآویز اور بلیغ تحریر یقیناً اہلِ نظر کے لئے باعثِ دلچسپی ہوگی۔ لہٰذا ذیل میں اس غور طلب تحریر کا متن پیشِ خدمت ہے:

ولما سافرت الی مدینة دلهی عام ۱۹۴۷م، عزمت علی السفر الی لاهور، علی بعد الشقة وظهور الفتن والقلق فی ارجاء الهند۔ وما کان مثلی، وقد قدم الهند، لیصبر عن زیارة ضریح اقبال وداره۔ فاعدت للسفر إلی لاهور، ونظمت أربعة أبیات، وسألت نقاشا فی دلهی القدیمة ان ینقشها علی لوح من الرخام، وحملتها معی وسلمتها الی القوّام علی ضریح إقبال لتوضع هناك۔ والابیات:

۱۔ عربی یهدی لروضك زهرا ذا فخار بروضه واعتزاز

۲۔ کلمات تضمنت کل معنی من دیار الإسلام فی ایجاز

۳۔ بلسان القرآن خطت فقیھا   نفحات التنزیل والاعجاز

۴۔ فاقبلنھا، علی ضآلۃ قدری   فھی فی الحق "ارمغان الحجاز"

ترجمہ: جب میں نے ۱۹۴۷ء میں شہر دہلی کا سفر کیا تو میں نے لاہور جانے کا قصد کیا۔ باوجود اس امر کے کہ فاصلہ زیادہ تھا، فتنہ ظہور پذیر ہو چکا تھا اور پورے ہندوستان میں پریشانی پھیلی ہوئی تھی، میرے جیسا شخص ہندوستان میں آکر اقبالؒ کے مزار اور گھر کی زیارت کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ سو میں سفر لاہور کے لئے تیار ہو گیا اور چار شعر نظم کئے۔ پُرانی دہلی کے ایک نقاش سے اُنہیں سنگِ مرمر کی لوح پر کندہ کرایا۔ میں اُسے ساتھ لے گیا اور (یہ کتبہ) مزار اقبالؒ کے مہتمم حضرات کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اُسے وہاں نصب کر دیں۔

(i) ایک عرب آپ کے باغ کے لئے پھُول کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔ (وہ پھول) جسے اپنے باغ پر بڑا فخر و ناز ہے۔

(ii) پھُول ان کلمات سے مرکّب ہے جن میں مختصراً عالمِ اسلام کے جُملہ احساسات مضمر ہیں۔

(iii) یہ کلمات قرآنِ پاک کی زبان میں لکھے گئے، لہٰذا ان میں وحی و معجزات کے جھونکے (جھونکوں کی لپٹیں) ہیں۔ مجھ بے مایہ سے یہ ضرور قبُول کر لیجئے کیونکہ درحقیقت یہ "ارمغانِ حجاز" (حجاز کا تحفہ) ہے۔

معروف ماہر اقبالیات پروفیسر مرزا محمد منوّر نے سب سے پہلے ۶ مئی ۱۹۶۱ء کے "نوائے وقت" میں مذکورہ کتاب کے ایک باب کا ترجمہ کر کے "عقیدت کے پھُول" کے عنوان سے اس بات کا انکشاف کیا۔ بقول پروفیسر موصوف انہوں نے کئی مقربانِ بارگاہِ اقبالؒ اور مزار کمیٹی کے ارکان سے بعض مواقع پر اس لوحِ مزار کے بارے میں استفسار بھی کیا مگر آج تک اُس کا سُراغ نہیں مِل سکا۔

۱۰۹۳

کچھ اختلافی آوازیں

مزار اقبالؒ کے سلسلے میں ایک اختلاف تو انتخابِ مدفن میں تھا جس میں ہندو اور سکھ پیش پیش تھے اور اس کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

پھر تعمیر مزار کے وقت بھی اختلافی آوازیں سنائی دیں۔ مگر مزار اقبال کمیٹی نے اپنے خلوص اور علامہ سے عقیدت کی بنا پر ان تمام آوازوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تکمیل مزار کے بعد بھی اس قسم کی آوازیں سننے میں آتی رہی ہیں۔ ان میں کہاں تک وزن ہے یا کن اچھے یا برے مقاصد کے تحت یہ آوازیں بلند ہوئیں ان کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

۱۹۴۸ء میں "شاعر مشرق کا مزار" کے عنوان کے تحت ایک صاحب غلام مرتضیٰ نامی نے ایڈیٹر "نوائے وقت" کو لکھا کہ شاعر مشرق کے ارشاد کے برعکس عرصہ آٹھ سال سے ان کا مزار زیرِ تعمیر ہے بہتر تھا کہ اس کثیر رقم سے ان کے حیات بخش کلام کو وسیع اشاعت دی جاتی۔ تاہم اگر ان کی عظمت کو آئندہ نسلوں کے لئے ایک باوقار مزار کی صورت میں محفوظ کرنا ہی مقصود ہے تو اسے جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے اس ضمن میں انہوں نے مزار کمیٹی کو مشورہ دیا کہ وہ حکومت سے تعاون حاصل کرے۔

۲۴ جنوری ۱۹۴۰ء کو ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے جسٹس ایس اے رحمان کو ایک خط لکھا تھا۔ جس میں انہوں نے تعمیر کے سٹائل کو "دلخراش" "زوالی مغل طرز تعمیر کا نمونہ"

اور "ہندویت آمیز" لکھا ہے تاہم اسے ذوق کی معدومیت کہنے کے باوجود خوش نیتی پر بھی محمول کیا ہے۔

مزید برآں یہ بھی کہا ہے کہ محکمہ آثارِ قدیمہ کی شرائط پر الزام رکھنا بے معنی ہے اور یہ کہ اس عمارت کے لیے دولت کی فراوانی نہیں ذوق سلیم کا ہونا ضروری ہے۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون "حضرت علامہ اقبالؒ" میں لکھا ہے۔

"میں نے محسوس کیا کہ بادشاہی مسجد کی پراسرار و پروقار ضخامت و قدامت اور اُس کی مخصوص فضا اور روایات ذہن و دماغ پر اس درجہ اور اتنا جلدی مستولی ہو جاتی ہیں کہ ذہن کسی دوسری طرف منتقل ہونے کے قابل ہی نہیں رہ جاتا چنانچہ میرے دل میں بے اختیار اور بار بار یہی آیا کہ اقبالؒ کا مزار مستقل حیثیت سے اور جگہ ہونا چاہیئے تھا۔ جہاں اقبالؒ کے تصوّر میں مزاحم ہونے والی کوئی اور چیز نہ ہوتی۔"

گورنمنٹ کالج سرگودھا کے مجلہ "ضیا بار" اقبال نمبر بابت سال ۱۹۷۳ء میں بر سبیل تبصرہ و تذکرہ کے عنوان سے ڈاکٹر پروفیسر عابد احمد علی نے کافی تند لہجے میں مزار اقبالؒ کو فراعنۂ مصر کے تابوت (SARCOPHGUS) سے تشبیہ دی ہے اور مزار کی ہیئت کذائی کا خاکہ اڑایا ہے ساتھ ہی یہ تجویز بھی دی ہے کہ اگر دوسرا مقبرہ تعمیر نہیں ہو سکتا تو اس سے کہیں بہتر ہے کہ تابوت کو حضوری باغ کی بارہ دری میں دفن کر دیا جائے تاکہ شاہی مسجد اور قلعے کے ساتھ کچھ تو مناسبت ہو اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں کیونکہ علامہ جمال الدین افغانی کو بھی کئی برس بعد افغانوں نے ترکیہ سے کابل لاکر دفن کیا تھا۔

۱۹۷۴ء میں اس وقت کی حکومت پاکستان نے اقبالؒ کے صد سالہ جشن ولادت

کیلئے ایک ۲۹ رکنی کمیٹی کی منظوری دی جس میں وزیر اعظم، وزیر قانون، وزیر اطلاعات، چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ اور اقبالیات کے ماہرین شامل تھے۔

اس کمیٹی نے ایک جامع منصوبہ بنایا جس میں یہ طے کیا گیا کہ مزار اقبال شیراز میں شیخ سعدیؒ اور خواجہ حافظؒ کے مزاروں کی طرز پر از سرِ نو تعمیر کیا جائے مقام، نقشہ، عمارت، طرزِ تعمیر وغیرہ اقبالؒ کے شایانِ شان ہوں۔

اس کمیٹی کے اس فیصلے کے ردِّ عمل کے طور پر دو ہی روز بعد "روزنامہ نوائے وقت" نے اپنے ادارتی نوٹ میں کمیٹی کے ارکان سے التماس کی کہ وہ مہربانی کر کے مزارِ اقبالؒ کو اسی جگہ اور اسی طرح رہنے دیں۔ البتہ مزار کی مناسب آرائش و مرمت ضروری ہے کمیٹی جو روپیہ مزار کی تعمیرِ نَو پر لگانا چاہتی ہے اس سے اقبال سے متعلق کوئی تعلیمی و تحقیقی ادارہ اور لائبریری وغیرہ قائم کر دی جائے۔ جس سے فکرِ اقبالؒ کو آگے بڑھایا جائے۔ نوائے وقت نے مشورہ دیا کہ اس مقصد کے لئے حضوری باغ کی بارہ دری بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

آغا شورش کاشمیری اپنے ہفت روزہ "چٹان" جلد ۲۷ شمارہ ۳۸ بابت یکم تا ۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء میں کچھ ایسے ہی خیال کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس کمیٹی کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ کے مزار کی توسیع و تجدید کا منصوبہ بھی ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان افراد کے ذہن کا حقیقی خاکہ کیا ہے لیکن مزار میں مزید آراستگی پیدا کرنا اور گرد و پیش کا حُسن بڑھانا تو صحیح ہو گا لیکن مزار کی موجودہ ہیئت کو بدلنا منافیٔ مزار ہو گا کیونکہ اس کی ایک خاص تاریخ ہے۔"

یہ اور اس قسم کی اور آوازیں فضا میں کبھی کبھی ارتعاش پیدا کرتی رہی ہیں۔ تاہم مرکزیہ مجلس اقبالؒ یا محکمہ آثارِ قدیمہ سرِ دست کوئی ایسا ارادہ نہیں رکھتا کہ مزار کو کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ شاید راہِ صواب بھی یہی ہو۔

آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد (۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء) میں
مفکرِ پاکستان، نظریہ پاکستان پیش کرتے ہوئے۔

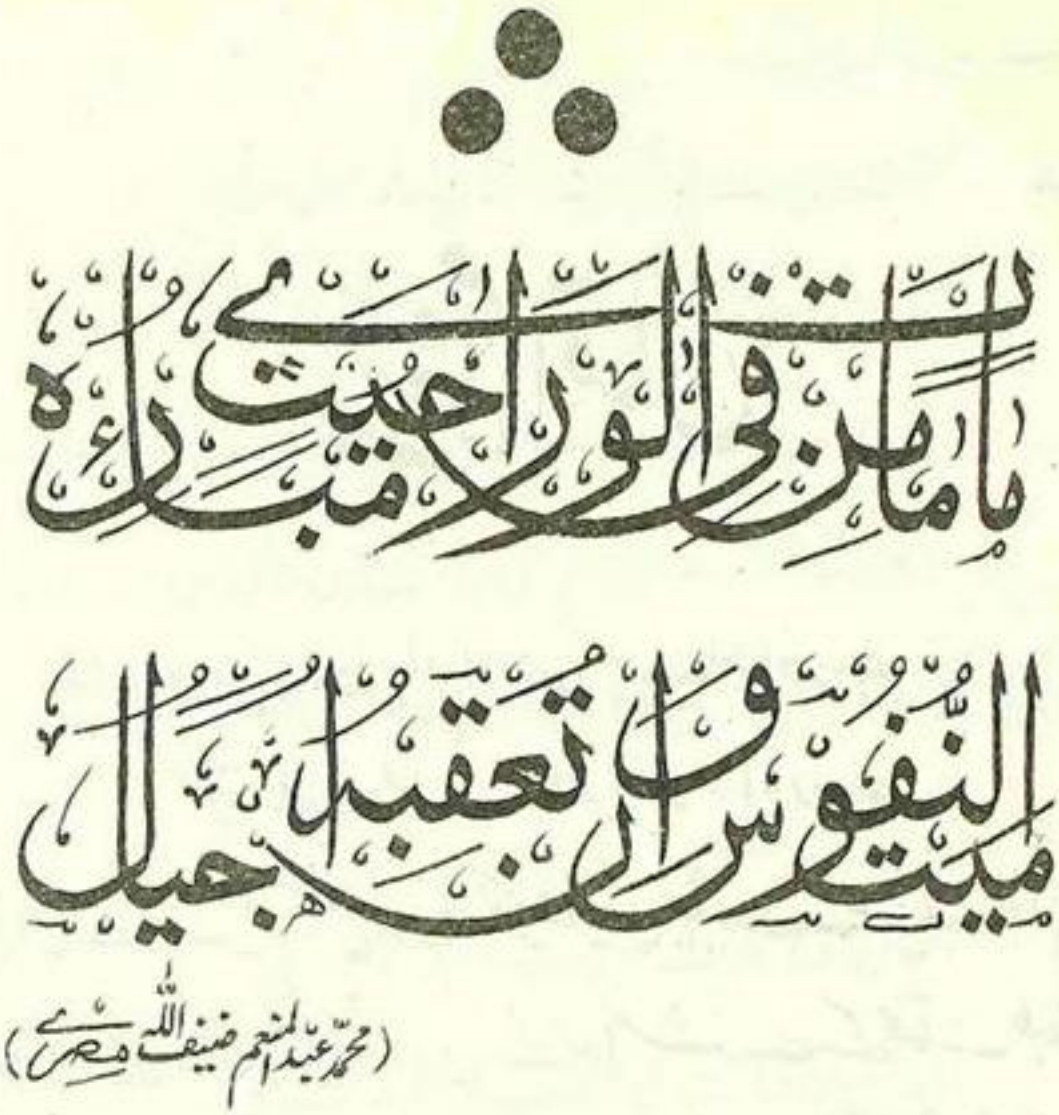

ترجمہ: وہ شخص کبھی نہیں مرتا جس کے اصول مُردہ دِلوں کو
زندگی اور توانائی بخش دیتے ہیں اور جو آنے والی
نسلوں کے لئے بھی پیغام حیات ہو۔

پیغامِ اقبالؒ

؎ اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

اقبالؒ نے ایک عظیم مصلح اور بلند فکر مفکّر کی حیثیت سے ایک فعّال زندگی کے لئے ہر پہلو میں رہنمائی کی۔ اُنہوں نے معاشرے کے مختلف طبقوں کو روح پرور پیغام دیا اور اس اُجڑے گلستان میں پھر سے بہار آفرینی کی کوشش کی، سوسائٹی کے ہر طبقے کو واضح طور پر خاص زاویۂ نگاہ دیا۔ عام آدمی سے لیکر ماہرینِ فنون لطیفہ اور سیاست دانوں تک کو مخاطب کیا۔

اُن کے نزدیک شاعری ایک فکر انگیز قوت ہے جو ذوق عمل کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ وہ شاعری برائے شاعری" اور "ادب برائے ادب" کو زندہ قوموں کے حق میں زہر قاتل خیال کرتے ہیں۔ اسی مقصد کے لیے اُنہوں نے اپنے ٹھوس اور جاندار خیالات کو اثر انگیز شعر کی زبان میں پیش کیا۔

شروع شروع میں انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں ہزارہا عوام علّامہؒ کے مخاطبین ہوتے۔ مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہوئے علّامہؒ تعصّب کو شجر فرقہ آرائی کا ثمر قرار دیتے، دعویٰ توحید کے باوجود بت پندار کو خدا بنانے پر دلتنگی محسوس کرتے، راہِ عمل پر گامزن ہونے والے کو محبوب فطرت گردانتے اور بیمار قوموں کی شفا کا

واحد نسخہ محبّت ہی کو ٹھہراتے۔

؎ محبّت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

شکوہ اور جوابِ شکوہ کے ذریعے اسلامیانِ عالم کو ایک انوکھے اور اچھوتے انداز سے پیغامِ عمل دیا۔ جس میں حالیؔ مرحوم کی نوحہ گری نہ تھی۔ بلکہ امید و رجا کی تابناکی اور روشن مستقبل کی جھلک نمایاں تھی۔ "شمع و شاعر" اور "طلوعِ اسلام" کا اندازہ ملاحظہ ہو۔

؎ آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

اور ؎

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

یہ اور ایسے ہی اشعار اُمّتِ مسلمہ کو نہایت شاندار مستقبل کی ضمانت دیتے ہیں۔

علامہؒ نے معاشرے کے ہر طبقے کو اپنا مخاطب بنایا ہے۔ طلبہ ہوں یا مُعلّم، نوجوان ہوں یا مسندِ ارشاد کے وارث، مزدور ہوں یا سرمایہ دار، سیاستدان ہوں یا ماہرینِ فنونِ لطیفہ، بچّے ہوں یا خواتین کوئی طبقہ اُن کی رہنمائی سے محروم نہیں ہے۔

پیغامِ اقبال اصل میں اسی پیغام کی صدائے بازگشت ہے۔ جو ۱۴۰۰ سال پہلے قُلّۂ کوہِ صفا سے گونجی تھی۔ اقبالؒ نے اسے عصری تقاضوں اور اپنے ماحول کے مطابق حسین و دلنواز پیرایہ اظہار دے کر۔

ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

کے مصداق اہل اسلام کے دلوں میں اُتار دیا ہے۔

۱- بچّوں کو پیغام: علّامہ نے اپنے ابتدائی کلام میں بچّوں کے لئے نہایت خوبصورت نظمیں لکھیں۔ ایک مکڑا اور مکھی، ایک گائے اور بکری، بچّے کی دعا، ہمدردی، ماں کا خواب، پرندے کی فریاد وغیرہ جیسی دلکش نظمیں اقبالؒ کی بچّوں سے وابستگی کی مظہر ہیں۔

وہ اُنہیں نہایت لطیف پیرائے ہیں دنیا سے اندھیرا دور کرنے، اُجالا پھیلانے، علم کی شمع سے محبّت کرنے، عزیبوں کی حمایت کرنے، دردمندوں سے محبت کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔

زندگی ہو مری پروانے کی صُورت یارب
علم کی شمع سے ہو مُجھ کو محبّت یارب
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبّت کرنا

۲- طالب علموں کو پیغام: طلبہ کسی قوم کا عزیز ترین سرمایہ اور قیمتی ترین متاع ہوتے ہیں۔ انہیں کے دم قدم سے قومیں حال کو ماضی سے بہتر بنا کر شاندار مستقبل پر بھروسا کر سکتی ہیں۔ اقبالؒ انہیں شاہیں قرار دیتے ہوئے ان سے بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں ظاہری ٹیپ ٹاپ کی بجائے ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اُٹھا کر ملک و ملّت کی شاندار خدمت انجام دینے کا درس دیتے ہیں۔

؎ علم و فن را اے جوانِ شوخ و شنگ
مغزمی باید نہ ملبوسِ فرنگ

(اے شوخ و شنگ نوجوان علم کے لیے ذہنی صلاحیتوں کی ضرورت ہے مغربی لباس درکار نہیں۔)

وہ اُنہیں یاد دلاتے ہیں کہ جدید دَور کے علوم کی عمارت محسوسات کی بنیادوں پر رکھی گئی ہے۔ جس کے نتیجے میں عقائد متزلزل ہو رہے ہیں۔ وہ طالب علموں کو عقائد کی پختگی اور دینی اقدار کے ساتھ وابستگی کی تلقین کرتے ہیں۔

؎ محسوس پر بنا ہے علومِ جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

تعلیم کے ذریعے مادی ترقی بجا۔ مگر جب اخلاقی اقدار پامال ہو جائیں، دل بے دینی اور الحاد کے خوگر ہونے لگیں تو وہ علامہؒ کے نزدیک بے کار مشغلہ ہے۔

؎ ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

۳۔ عام نوجوانوں کو پیغام:

علامہؒ نے عام نوجوانوں کو عفّت قلب و نظر اور پاکیزہ فکر و زبان کی بڑی تلقین کی ہے۔

وہ چاہتے ہیں کہ نوجوانوں کی آنکھیں حیا کی نمناکی سے باوضو ہوں۔ اُن کے قوائے ذہنی و جسمانی عیش و عشرت میں برباد نہ ہوں اور اُن کا شباب، مانندِ سحر بے داغ ہو۔

؎ وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

؎ حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

ان کی کتاب "جاوید نامہ" کی نظم خطاب بہ جاوید (سُخنے بہ نژادِ نو) اُن کے لختِ جگر

جاوید اقبالؒ ہی کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ ملّت اسلامیہ کے ہر نوجوان کے لئے عالم شباب کا منشور ہے۔

وہ نوجوانوں کی سہل انگاری، آرام کوشی اور تعیش پسندی پر خون کے آنسو روتے ہیں۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

۴۔ مزدوروں کو پیغام:

سب جانتے ہیں کہ علامہ نے اقتصادیات کے موضوع پر سب سے پہلے اردو میں "علم الاقتصاد" کے نام سے کتاب لکھی۔ وہ اقتصادی عوامل اور قوم پر ان کے اخلاقی اثرات سے بخوبی آگاہ تھے۔ وہ سرمایہ داری کے سخت مخالف تھے۔ ایسی پیداوار جس میں محنت کش کا حصّہ نہ ہونے کے برابر ہو سوختی و ربودنی ہے تاکہ دستِ دولت آفرین کو اس طرح مزدوری نہ ملے جس طرح اہلِ ثروت عزیبوں کو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔ علامہؒ مزدوروں کو پیغام دیتے ہیں کہ وہ اُٹھ کھڑے ہوں اپنے حقوق کے تحفّظ کے لئے تجوریوں کے ناکردہ کار مالکوں سے ٹکرا جائیں۔ کیونکہ سرمایہ داری اب کوئی دن کی مہمان ہے۔

؎ گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

؎ اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے

۵۔ اساتذہ کو پیغام:

اقبالؒ اساتذہ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ قوم کے نونہالوں کی صحیح طور پر فکری اور روحانی تربیت کریں۔ وہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ معلّم حضرات خود اسلامی ثقافت و تمدّن سے گہری واقفیت رکھتے ہوں۔

بے دینی اور الحاد کی جڑ کاٹنے والے ہوں۔ ان کا ہر عمل ایسا اثر انگیز ہو کہ نئی نسل ان کے تابناک کردار سے متاثر ہو کر دینی اٹھان کے ساتھ پھلے پھولے جب وہ درسگاہوں میں ایسے مثالی اساتذہ کا فقدان پاتے ہیں۔ تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں:

؎ اُٹھا ہیں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

؎ گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

وہ اساتذہ کو پیغام دیتے ہیں کہ طلبہ میں روحانی بالیدگی پیدا کریں۔ کیونکہ وہ اپنا ہنر مٹی یا پتھر پر نہیں آزما رہے سیرت سازی کی عظیم الشان عمارت تعمیر کر رہے ہیں۔

؎ شیخ مکتب ہے ایک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روحِ انسانی

۶۔ عورتوں کو پیغام:

عورت اقبالؒ کے نزدیک ایسی ہستی ہے جس کی وجہ سے کائنات رنگین اور زندگی پر رونق ہے وہ ماں ہے، وہ بیٹی ہے، وہ بہن ہے، وہ بیوی ہے۔ ان مقدّس رشتوں ہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ نغمہ طراز ہوتے ہیں۔

؎ وجودِ زن سے ہے، تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

مغربی تہذیب کے زیر اثر عورتوں کی بے جا آزادی اور خود سری کو وہ سخت ناپسند کرتے ہیں۔ حیا عورت کا سب سے بڑا جوہر ہے۔ جس کا پردے کے بغیر قائم رہنا سخت دشوار ہے۔ اسی لیے علامہؒ خواتین کی پردہ نشینی اور خانہ گزینی کو ان کی عصمت و حیا

کا بہت بڑا سبب جانتے ہیں اور اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ بلند سیرت مائیں ہی باکردار بچوں کو جنم دے سکتی ہیں۔ ماں فاطمہؓ ہوگی تو بچہ حسینؓ بنے گا۔

؎ اگر پندے ز درویشے بگیری
ہزار اُمّت بمیرد تو نہ میری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری

۱۔ (اگر تو درویش کی نصیحت قبول کرے تو ہزار قومیں مٹ جائیں تو نہیں مر سکتی۔
۲۔ فاطمۃ الزہراؓ کی سیرت کو اپنا کر پردے کی سخت پابندی کرتا کہ تو شبیرؓ (جیسے شہید کربلا) کو جنم دے سکے۔

۷۔ فنکاروں کو پیغام:

اقبالؒ "فن برائے فن" کو ذہنی عیاشی کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک شاعری ہو یا مصوری، موسیقی ہو یا فنِ تعمیر سنگتراشی ہو یا خشت کاری تمام فنون معاشرے کے فائدے کے لیے ہونے چاہئیں۔ وہ فنون جن سے محض ذہنی حظ اندوزی اور جنسی تلذّذ مقصود ہوں اُن پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بے چاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ ان فنون کے ماہرین کو تلقین کرتے ہیں کہ ایسے شاہ پارے تخلیق کریں جن سے خودی کی حفاظت ہو سکے۔ بصورتِ دیگر وہ فسون و فسانہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر
گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یکدانہ

اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ

۸۔ ہُنرمندوں کو پیغام: علّامہؒ ایک طرف اخلاقی بلندیوں کے زبردست داعی ہیں تو دوسری طرف جدید سائنسی انکشافات اور جدید ٹیکنالوجی کے استعمال پر ازحد زور دیتے ہیں۔ اصل میں مادی ترقیوں کا سرچشمہ جدید ٹیکنالوجی ہی ہے۔

ع ہے یہ فردوسِ نظر اہلِ ہُنر کی تعمیر

وہ اہلِ حرفہ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ روحانی سربلندیوں کے ساتھ نسلِ نو ہنرمندی اور ٹیکنالوجی میں دنیا کی امام بن جائے۔ وہ ہنرمندی کو ید بیضا قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بہ پورِ خویش دین و دانش آموز
کہ تابد چوں مہ و انجم نگینش
بدستِ او اگر دادی ہنر را
یدِ بیضاست اندر آستینش

۱۔ اپنے بیٹے کو علم دین اور عقلی علوم سکھاؤ تاکہ اس کا نگینہ (دل) چاند تاروں کی طرح چمک اُٹھے۔

۲۔ اگر تم نے اُسے ہنرمند بنا دیا تو (یوں سمجھو) کہ اس کی آستین میں ید بیضا ہے یعنی ہنر سے زندگی کی راہیں روشن ہو سکتی ہیں۔

علّامہؒ اہلِ ہنر کو پیغام دیتے ہیں کہ وہ حریّتِ فکر سے نت نئی ایجادات کر کے دُنیا کو رشکِ فردوس بنا دیں۔ اُن کی روح ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہونی چاہئے کیونکہ

غلامانہ طرزِ حیات کے ساتھ ہنر کبھی آزاد نہیں رہ سکتا۔

؎ رُوح اگر ہے تری رنجِ غلامی سے زار
تیرے ہنر کا جہاں دیر و طواف و سجود

۹۔ صوفیہ و علماء کو پیغام:

اقبالؒ خانقاہی مسندوں پر براجمان اور منبر رسولؐ پر بیٹھنے والے شعلہ مقالوں سے نالاں نظر آتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ اُن کا قال اُن کے حال سے مختلف ہے اور ان کی زبان ان کے دل کی رفیق نہیں۔ لہٰذا وہ بے رس اور بے اثر باتوں سے دلوں میں تاثیر پیدا نہیں کر سکتے۔

؎ پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
گفتار بے سوز کردار واہی
؎ بھاتا ہے دل کو کلام خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

وہ نہایت حسین پیرائے میں انہیں پیغام دیتے ہیں کہ وہ فقر و غنا اور زہد و ورع کی زندگی اختیار کر کے اپنے جوشِ کردار سے انقلاب تازہ پیدا کر دیں۔ باعثِ رسوائی حرم نہ بنیں۔ کیونکہ ان کے حلقہ ہائے ذکر سوز و ساز سے خالی ہیں جن میں نہ آنکھیں نم آلود ہوتی ہیں اور نہ دل پسیجتے ہیں۔

؎ حلقۂ صوفی میں ذکر بے نم و بے سوز و ساز
میں بھی رہا تشنہ کام، تو بھی رہا تشنہ کام
آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم و شام

۱۰۔ سیاستدانوں کو پیغام:

اقبالؒ اہلِ سیاست کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کی زمین کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں۔ سروری فقط اُسی ایک ذات بے ہمتا کو زیبا ہے جو فرمانروائے ہر دو جہاں ہے۔ اس لئے ہر وہ طرزِ حکومت جس میں حکمران اپنے آپ کو فرمانروائے مطلق فرض کرلیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ طرزِ حکومت جمہوری ہو یا ملوکانہ، آمرانہ ہو یا جابرانہ پارلیمانی ہو یا صدارتی ان کے نزدیک مٹائے جانے کے قابل ہے۔

ہاں یہ تسلیم کرلیا جائے کہ:

ع زمیں خدا کی ہے فرمان بھی خدا کا چلے

تو کوئی سا بھی طرزِ حکومت اختیار کیا جا سکتا ہے۔

سیاستدانوں کو پیغام دیتے ہوئے اقبالؒ چاہتے ہیں کہ انہیں زمینی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے آسمانی ہدایت پر عمل پیرا ہونا چاہیئے ورنہ دنیا میں جور و استبداد اور فتنہ و فساد کی حکمرانی ہوگی۔

؎ جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وہ ملکوتی تخیلات اور بلند ولولوں کے قافلہ سالاروں کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیلِ ملکوتی و جذبہ ہائے بلند

کتابیات

اُردو

۱۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۳، ۱۵، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۸ء، ۱۹۷۵ء۔

۲۔ اقبالؒ کامل، عبدالسّلام ندوی، مکتبہ معارف، اعظم گڑھ۔

۳۔ دائرہ معارفِ اقبالؒ، ملک حسن اختر، مکتبۂ عالیہ، لاہور۔

۴۔ ذکرِ اقبالؒ، عبدالمجید سالک، بزم اقبالؒ، کلب روڈ لاہور، جون ۱۹۵۵ء۔

۵۔ روحِ اقبالؒ، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، آئینۂ ادب، لاہور۔

۶۔ روزگارِ فقیر، فقیر سید وحیدالدین، لائن آرٹ پریس لمیٹڈ کراچی، لاہور۔

۷۔ سب رس (ماہنامہ)، اقبالؒ نمبر جون ۱۹۳۸ء، حیدرآباد دکن۔

۸۔ سیرتِ اقبالؒ، طاہر فاروقی، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۸ء۔

۹۔ ضیاء بار ۱۹۷۳ء اقبال نمبر، مجلہ گورنمنٹ کالج سرگودھا۔

۱۰۔ فکرِ اقبالؒ، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، بزمِ اقبالؒ، لاہور۔

۱۱۔ کلیاتِ اقبالؒ اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۱۲۔ مقالاتِ تاثیر، مرتّبہ ممتاز اختر مرزا، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور۔

۱۳۔ نقوش، اقبالؒ نمبر ستمبر ۱۹۷۷ء اور دسمبر ۱۹۷۷ء، لاہور۔

فارسی

۱۴۔ اقبال درراہِ مولوی، دکتر سید محمد اکرم، انجمن دوستی ایران وپاکستان، لاہور۔

۱۵۔ رومی عصر، عبدالحمید عرفانی، تہران۔

۱۶۔ کلیات اقبالؒ فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔

۱۷۔ نمایشگاہِ خط، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، لاہور۔

عربی

۱۸۔ اقبال فی الشعر العربی، الدکتور ظہور احمد اظہر، المکتبۃ العلمیہ لاہور ۱۹۷۷ء

۱۹۔ محمد اقبال، سیرتہٗ وفلسفتہٗ وشعرہٗ، عبدالوہاب عزّام، وزارت التربیت والتعلیم، قاہرہ، ذوالقعدہ ۱۳۷۹ھ۔

انگریزی

20-INDIAN ARCHITECTURE, ICLAMIC PERIOD, PERCY BROWNE, BOMBAY, 1942

21-LAHORE AND ITS IMPORTANT MONUMENTS, MOHAMMAD WALI ULLAH KHAN LAHORE, 1959-61

22-LAHORE PAST AND PRESENT, DR. MOHAMMAD BAQIR, LAHORE, 1952.

THE NEW CAXTON ENCYCLOPAEDIA, VOL. II LONDON, NEW YORK, 1969.

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ روزنامہ نوائے وقت، کوہستان، امروز، پاکستان ٹائمز اور سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کے کئی پرچے زیرِ نظر رہے۔ ماہنامہ مخزن اور ہمایوں، ہفت روزہ قندیل اور چٹان کے متعدد شماروں، محکمہ اوقاف کے ریکارڈ اور محکمہ آثار قدیمہ کی فائلوں سے بھی اخذ و استفادہ کیا گیا۔

دُعا کو ہاتھ اُٹھاؤں تو راز کھُلتا ہے
ہر ایک ذرّہ یہاں رحمتوں میں تُلتا ہے
فقیر آتے ہیں، گردُوں رکاب آتے ہیں
اِس آستاں پہ جلالت مآب آتے ہیں
کلیمِ وقت کی تُربت سے آشکارا ہے یہ
خودی کا سرِّ نہاں! وقت کی پکارا ہے یہ
"نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے"

شورش کاشمیری

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اقبالؒ

سٹاکسٹ: علمی کتاب خانہ ۔ اردو بازار ۔ لاہور